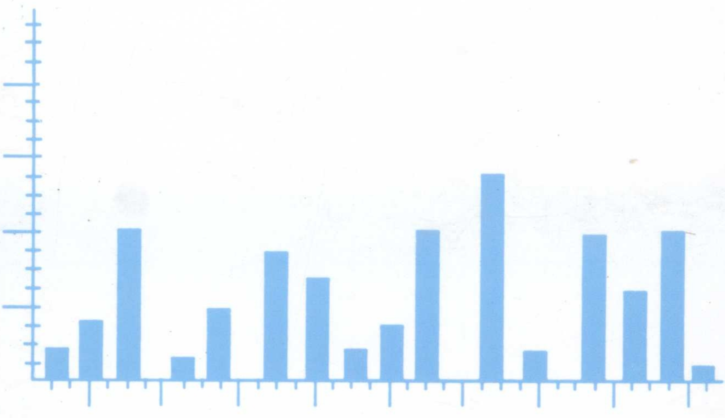
ربٰو اور بنک کا سود

ڈاکٹر یوسف القرضاوی



انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

رِبٰو

اور

بنک کا سود

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

ترجمہ: عتیق الظفر

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز

طبع اول: ۱۹۹۳ء

طبع دوم: ۱۹۹۸ء

آئی ایس بی این: ۹۶۹-۴۴۸-۰۵۶-۶

کتاب : ربو اور بنک کا سود

تالیف : ڈاکٹر یوسف القرضاوی

ترجمہ : عتیق الظفر

زیرِ اہتمام : انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز
نصر چیمبرز، بلاک ۱۹ مرکز ایف سیون، اسلام آباد
فون: ۲۷۲۵۹۰-۲ فیکس: ۸۲۴۷۰۴

طابع : فاروقی انٹرلیو پرنٹرز، راولپنڈی فون: ۵۳۵۳۷۰

تقسیم کنندہ : بک ٹریڈرز،
مرکز ایف سیون، اسلام آباد
فون: ... فیکس: ۸۲۴۷۰۴

احساسِ تشکر

یہ کتاب عالمِ اسلام کے مشہور عالم دین ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی تصنیف کا ترجمہ ہے۔
جس کی ضرورت کا احساس جناب پروفیسر خورشید احمد نے پاکستان میں سود کے ضمن میں چلنے والی بحثوں کے سلسلے میں کیا۔ میں اس ترجمہ کی تکمیل کے لیے محترم خورشید احمد صاحب کی ذاتی دلچسپی اور مسلسل رہنمائی اور حوصلہ افزائی کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔
میں اپنے تمام اساتذہ کا شکر گزار ہوں جن کی محنتوں کے باعث مجھ میں عربی زبان اور اکنامکس کی استعداد پیدا ہوئی کہ میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکا۔
اس ترجمے کی تکمیل میں برادر رحمت اللہ مہند کی محنت اور معاونت کا تذکرہ نہ کرنا زیادتی ہو گی۔ میں ان کی معاونت کے سلسلے میں ان کا انتہائی شکر گزار ہوں۔
ترجمے میں بہتری اور اس کو اردو زبان کے مزاج سے ہم آہنگ کرنے میں محترم خالد رحمٰن نے بے حد محنت کی، میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ نیز برادر ظفر اقبال، جنھوں نے بڑی محنت سے اس مسودے کو ٹائپ اور کمپوز کیا۔

عتیق الظفر

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے نظام کو جن اصولوں اور ضابطوں کا پابند کیا ہے ان میں سے ایک بڑا بنیادی اصول یہ ہے کہ یہاں انسان کو جو مہلت دی گئی اور اس کے نتیجہ میں جو آزادی اسے حاصل ہے اسے استعمال کر کے وہ اسلام کے نظام اور اللہ کی اطاعت اور بندگی کے طریقے پر بھی چل سکتا ہے اور کفر کے علمبردار اور اللہ کے باغی کی حیثیت سے بھی اپنی دو کان چمکا سکتا ہے خواہ اس سے بالآخر دنیا میں تاریکی ہی پھیلے اور آخرت میں تو ان کا انجام بد ترین ہونا ہی ہے۔ البتہ جو راستہ سب سے زیادہ برا اور انجام کار کے اعتبار سے سب سے زیادہ تباہ کن ہے وہ نفاق اور دھوکہ کا راستہ ہے، جس میں انسان ایک طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا دم بھرے اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کے صاف اور واضح احکام کی بھی نہ صرف خلاف ورزی کرے بلکہ تاویل اور تحریف کے تمام گھناؤنے حربے استعمال کر کے اسلام کی تعلیمات کا حلیہ ہی بگاڑنے کی سعی نامسعود کرے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اقبال نے کہا تھا کہ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

اور خود قرآن کا ان کے بارے میں صاف فتویٰ ہے کہ

يخادعون الله والذين آمنوا وما يخدعون الا انفسهم وما يشعرون

ترجمہ: "وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، مگر دراصل وہ خود اپنے ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے (البقرة:۹)

امت مسلمہ کو ہمیشہ کی طرح آج بھی جن فتنوں سے سابقہ درپیش ہے ان میں نفاق اور دھوکہ کا فتنہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ اور عالم یا عامی ہر ایک اس سے نفرت کرتا ہے۔ جو لوگ کسی مجبوری کی بنا پر اس میں ملوث ہوئے بھی ہیں وہ بھی اسے ایک گناہ اور ایک ناپاک شے سمجھ کر دل گرفتہ ہیں اور اس سے نجات پانے کے خواہش مند۔ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد "قائد اعظم" نے

اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر جو تقریر کی اس میں صاف الفاظ میں یہ کہا کہ ہماری منزل سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے جدا ہے۔ ہمیں اسلام کے سماجی انصاف کے نظام کو قائم کرنا ہے اور اس سلسلہ میں سود سے پاک معیشت کا نقشہ تیار کرنے کے لیے آپ نے جو شعبہ تحقیق قائم کیا ہے میں اس کی مساعی اور ان کے نتائج کا بڑی بے چینی سے انتظار کروں گا۔
پاکستان کے ہر دستور نے (۱۹۵۶ء۔ ۱۹۶۲ء۔ ۱۹۷۳ء) ربٰو سے معیشت کو پاک کرنے کے ہدف کا اعادہ کیا اور اسے قومی مقاصد میں شامل کیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی ہر رپورٹ (۱۹۶۲ء کی علامہ علاؤالدین صدیقی رپورٹ سے لے کر تازہ ترین رپورٹ تک) نے ربٰو کی حُرمت اور ہر صورت میں اس کو ختم کرنے کی سفارش کی۔ صاف الفاظ میں کہا گیا کہ سود اور ربٰو ایک ہی شے ہیں۔ انگریزی الفاظ Usury اور Interest دونوں پر سود کا مکمل اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح قرض خواہ صرفی ضروریات کے لیے ہو یا پیداواری مقاصد کے لیے، غریب لے یا امیر، فرد لے یا ادارہ، کمپنی، بنک، حکومت اگر قرض پہلے سے ایک طے شدہ متعین شرح پر دیا گیا ہے یا حاصل کیا گیا ہے تو سود ہے خواہ اسے کسی بھی نام سے پکارا جائے۔ اس حقیقت کا اعادہ ساری دنیا کے علماء اور ماہرین معاشیات نے اپنے اپنے انداز میں اور بڑے تاریخی اجتماعات میں کیا۔

۱۹۷۶ء میں پہلی عالمی اقتصادی کانفرنس میں ۳۰۰ ماہرین معاشیات اور علماء نے اس کا اعلان کیا۔ ۱۹۸۰ء میں پاکستان کی نظریاتی کونسل نے اپنی تاریخی رپورٹ میں اس کی تصدیق کی۔ ۱۹۸۳ء میں اسلامی وزرائے خارجہ کی تنظیم کی فقہ اکیڈیمی نے مکمل اتفاق رائے کے ساتھ سارے اسلامی ملکوں کی طرف سے اس امر کا اعلان کیا۔ ۱۹۸۹ء میں ہندوستان کے علماء نے مجمع فقہ الاسلامی کے تیسرے اجلاس میں تفصیل سے اس بات کا اعادہ کیا۔ خود پاکستان کے صدر مملکت نے فروری ۱۹۸۹ء میں اس سرکاری پالیسی کا اعلان کیا کہ سود کو ہر شکل میں بشمول بنکاری کے سود ایک ترتیب سے اور ایک متعین مدت میں ختم کیا جائے گا، اسی اعلان کا اعادہ مختلف وزرائے خزانہ اپنے اپنے وقت میں کرتے رہے۔ اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے ۱۹۸۴ء میں باقاعدہ ایک سرکلر کے ذریعے بنکاری کے سود کے خاتمہ کے لیے طریق کار جاری کیا اور سرمایہ کاری کے متبادل طریقے بیان کیے۔ ان تمام اعلانات سے ایک بات ثابت ہے اور وہ یہ کہ ربٰو اور سود میں کوئی فرق نہیں۔ سود اپنی ہر شکل میں حرام ہے اور اسے ختم کرنا حکومت کی پالیسی کا ہدف ہے۔

یہ عذر بار بار پیش کیا گیا کہ ابھی اس نظام کو تبدیل کرنے کے لیے مزید وقت درکار ہے تاہم اس پورے دور میں ربٰو کے تصور کو بگاڑنے اور اس کے دائرے سے بنکاری کے سود کو نکالنے

کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ لیکن جیسے ہی وہ دس سالہ دستوری مدت ختم ہوئی جس کی وجہ سے فیڈرل شریعت کورٹ سود کے معاملات پر غور نہیں کر سکتی تھی حکومت کے کارپردازوں پر "نئی وحی" کا نزول شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے سرکاری وکیل نے فیڈرل شریعت کورٹ کے سامنے یہ موقف اختیار کیا کہ ہمیں ربٰو کے مفہوم ہی کے بارے میں اشکال درپیش ہیں اور بنک کا سود اور عام ساہوکاری یا صرفی ضروریات کے لیے لیے جانے والے سود میں فرق ہے۔ لیکن یہ وکیل فیڈرل شریعت کورٹ کے سامنے کوئی دلیل نہ پیش کر سکے۔ اور بالآخر فیڈرل شریعت کورٹ نے بھی وہی فیصلہ دیا جو شریعت کی معروف پوزیشن ہے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ جون ۱۹۹۲ء تک کم از کم ملک کی اندورنی معیشت سے سود کو پاک کرنے کے لیے ضروری اقدام کر لیں تاکہ سودی قوانین کے ختم ہونے کے بعد متبادل نظام مؤثر بہ عمل ہو سکے۔ حکومت عدالتی مہلت کی آخری تاریخ تک انتظار کرتی رہی اور پھر مہلت کے ختم ہونے سے ۲۴ گھنٹے پہلے بالواسطہ اور پھر بلاواسطہ سپریم کورٹ میں اپیل میں چلی گئی۔

اس کے بعد سے چند وزیروں اور کچھ صحافیوں، کالم نگاروں اور نام نہاد ماہرین کی طرف سے ایک مہم شروع کی گئی ہے جس کا مقصد قوم کے ذہنوں کو پراگندہ کرنا اور لاحاصل بحثوں میں الجھانا ہے۔ ایسی مکروہ کوششیں ماضی میں بھی ہوئی ہیں اور ناکام و نامراد رہی ہیں اور آج بھی ان کا مقدر ناکامی و نامرادی ہی ہے۔ پوری مسلم تاریخ میں ربٰو کا مفہوم واضح رہا ہے اور آج اس کو بدلنے کی ہر کوشش سورج پر خاک پھینکنے کے مترادف ہے۔ یہ خاک پھینکنے والوں ہی کے سروں پر گرے گی اور کسی اور کی آنکھوں میں دھول نہ جھونک سکے گی!

بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام کا معاشی نظام اور مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام دو مختلف بنیادوں پر استوار ہوئے ہیں اور دونوں کے مقاصد اور اہداف بھی جدا ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام صرفی معیشت ہو یا پیداواری معیشت، دونوں کے لیے قرض اور سود کو بنیاد بناتے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام ان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی نظام معیشت خواہ وہ نجی صرف کا ہو یا کاروباری سرگرمیوں کا، قرض کو ایک شدید ناپسندیدہ نظام قرار دیتا ہے اور اگر مجبوراً اس کی طرف رجوع کرنا پڑے تو اسے اخلاقی بنیادوں پر سود کے بغیر جائز قرار دیتا ہے پھر اس کا نام بھی قرض حسنہ قرار دیتا ہے اور اسے صدقہ کی ایک شکل شمار کرتا ہے۔ اگر معاملہ کاروباری نوعیت کا ہے اور مقصود نفع کمانا ہے تو اسلام نے اس کے لیے نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر مضاربت یا شراکت کی شکل میں مشترک سرمایہ کاری کا راستہ اختیار کیا ہے اور اس طرح قرض کی بنیاد پر انفرادی اور اجتماعی

معیشت کی تشکیل کے تصور ہی کو جڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔

ہمارے لیے سیدھا راستہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنی معیشت کی تشکیل جدید کریں اور جو لوگ بھی اس موقف کے خلاف ہیں وہ کھل کر کہیں کہ ہمیں اسلامی نظام پسند نہیں اور ہم سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد پر ہی معاشی معاملات کو استوار کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی خواہشات کی خاطر شریعت کو بدلنا ایک سراسر خسارے کا سودا ہے۔

میں نے جب یہ کتاب دیکھی تو اسی وقت اردو میں اس کے ترجمہ کی ضرورت محسوس کی تھی لیکن اب جو بحث ہمارے یہاں اٹھائی گئی ہے اس کی موجودگی میں تو اس کی اشاعت ایک فرض کفایہ کی حد تک اہم ہو گئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ہمارے نوجوان ساتھی عتیق الظفر نے اس کا رواں ترجمہ بڑی محنت اور جانفشانی سے کیا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اس ترجمہ کو اردو دان طبقہ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ طالبان حق کو اس میں بڑا تشفی مواد میسر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ مصنف اور مترجم دونوں کو بہترین اجر سے نوازے اور جو افراد بھی غلط فہمی یا کم علمی کی بناء پر اس فتنہ کا شکار ہو رہے ہیں ان کی رہنمائی کا بندوبست فرمائے۔

پروفیسر خورشید احمد

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ و لا عدوان الا علی الظالمین و صلاۃ اللہ و سلامہ علی من ارسلہ رحمۃ للعالمین و حجۃ علی الخلق اجمعین: سیدنا و امامنا محمد و علی آلہ و صحبہ و من اتبعھم باحسان الی یوم الدین (امابعد)

بعض مخلص دوستوں نے آج کل سودی بنکاری کے بارے میں چلنے والی بحث اور اس پر ڈاکٹر عبدالمنعم النمر کے اٹھائے جانے والے سوالوں پر مجھ سے کچھ لکھنے کا مطالبہ کیا۔ اور کہا کہ مفتیٔ مصر سود کی حلت کے بارے میں ایک فتویٰ جاری کرنے کی تیاری کر رہے ہیں جو ان سے طلب کیا گیا ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اگر ان کے دل میں خوف خدا ہے تو اس سے باز رہیں گے۔

میں اس مسئلہ کے بارے میں لکھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ یہ مسئلہ ربع صدی قبل ختم ہو چکا ہے۔ یہی بات میں نے جمعیۃ الاقتصاد الاسلامی کی منعقدہ کانفرنس میں کہی تھی۔ کہ بجائے اس کے کہ ہم چکی کے گدھے یا کولھو کے بیل کی طرح چکر لگاتے رہیں جہاں پہنچے ہوں دوبارہ وہیں سے شروع کر دیں۔ بہتر تھا کہ اس کی فائل بند کر کے کسی دوسرے مسئلہ کی طرف توجہ کرتے۔ لیکن مخلص دوستوں کے پرزور اصرار پر اللہ جل جلالہ سے مدد چاہتے ہوئے یہ صفحات لکھے ہیں۔ امید ہے کہ ان میں لوگوں کے لیے علم و تذکیر کا سامان ہو گا۔

اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور قرآن و سنت کے واضح و قطعی نصوص کے ذریعے سختی سے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ جس میں کسی حیلہ باز کے حیلے یا تاویل کرنے والے کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ جو چیز اجماع امت سے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو تو اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں رہتی۔

ایک مسلمان کے لیے تو سود کے بارے میں ان آیات کا پڑھنا ہی کافی ہے جو سورۃ البقرہ کے آخر میں وارد ہوئی ہیں ان میں جو وعید سنائی گئی ہے اس کی ہولناکی اتنی شدید ہے کہ ان

آیات کو پڑھنے سے انسان کا دل دہل جاتا ہے۔ یہ محکم آیات نبی ﷺ پر آخر زمانہ میں نازل ہونے والی آیات میں سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔: جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: "تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے۔" حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ لہذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خوری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا، سو کھا چکا۔ اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں، جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں ان کا اجر بیشک ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

تمہارا قرض دار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کر دو، تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔ اس دن کی رسوائی و مصیبت سے بچو، جبکہ تم اللہ کی طرف واپس ہو گے۔ وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ظلم ہرگز نہ ہو گا۔ (سورۃ البقرہ: ۲۷۵-۲۸۱)

یہ آیات جن میں سود کی نجاست سے ڈرایا گیا ہے مندرجہ ذیل باتوں پر مشتمل ہیں:

۱۔ سود کھانے والے کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ اس کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو یہ حالت یا تو آخرت میں ہو گی یا اس دنیا میں جیسا کہ لوگ مال کمانے کی خاطر پاگلوں کی طرح پھر رہے ہیں اور ان کا حرص کسی چیز سے ختم نہیں ہوتا۔ ان کی مثال تو جہنم کی طرح ہے جو ہمیشہ کہتی رہے گی۔ "ھل من مزید"

۲۔ ان لوگوں کی حیلہ بازی کا رد کیا گیا ہے جنہوں نے سود کو تجارت سے مشابہ قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ سود اور تجارت میں کیا فرق ہے۔ دونوں میں نفع ملتا ہے بلکہ ان کی ڈھٹائی کی انتہا

تو یہ ہے کہ انہوں نے سود کو اصل قرار دیا ہے (وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے) یہ نہیں کہا کہ سود تجارت ہی جیسی چیز ہے۔ تو قرآن نے اس کا رد ایک قطعی الدلالۃ حکم سے کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اللہ نے سود کو حرام کیا ہے اور تجارت کو حلال) تو اب اس واضح حکم کے بعد نہ کوئی حیلہ ہو سکتا ہے اور نہ اجتہاد۔ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے جبکہ خبیث و ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور سود کو اللہ تعالیٰ نے مادی اور روحانی لحاظ سے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے حرام کیا ہے (اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

۳۔ ہدایت آ جانے کے بعد جو لوگ توبہ کرنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ لیکن اگر ہدایت آ جانے کے بعد بھی وہ لوگ باز نہں آ جاتے تو ان کی سزا جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمشیہ رہیں گے اور یہ برا انجام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے سود خوری سے باز آ جائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا، سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔"

۴۔ ایک طرف سود خوروں کو وعید سنائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اللہ کی طرف سے یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ وہ صدقات کو نشوونما دیتا ہے "اللہ تعالیٰ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے" یہ آیت سورہ روم کی آیت کی تائید کرتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے، اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا، اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو، اسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔" (سورہ روم: ۳۹)

ہم نے کتنے سود خوروں کے انجام کا مشاہدہ کیا ہے کہ انہوں نے خوب مضبوط قلعے تعمیر کیے لیکن جب اللہ نے ان کی گرفت کی تو ان کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا اور چھتیں ان پر گر پڑیں۔ اللہ تعالیٰ اس طرح ان پر عذاب بھیجتا ہے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے اور ہم ہمیشہ سے ان معاشروں اور امتوں کی ہلاکت کا مشاہدہ کرتے آ رہے ہیں جن میں سود جیسی مصیبت پھیل گئی تھی جیسا کہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ "جب کسی بستی میں زنا اور سود عام ہو جائے تو گویا انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو دعوت دی"۔ زنا کا ظہور

اور اس کا عام ہونا معاشرتی زندگی کے بگاڑ کی علامت ہے اور سود کا رواج پا جانا اور عام ہونا اقتصادی زندگی کے بگاڑ کی علامت ہے اور اسی عذاب الٰہی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر چیز میں برکت سے محروم ہو گئے ہیں یہاں تک کہ یہ بات ہماری اولاد میں بھی ظاہر ہو گئی ہے جو ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور اللہ کسی ناشکرے بد عمل انسان کو پسند نہیں کرتا" اس آیت میں سود کھانے والے کی شدید مذمت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتا ہے کیونکہ ان میں دو بری صفتیں پائی جاتی ہیں ایک انتہائی ناشکری اور دوسری انتہائی بد عملی۔ (کفار اثیم) دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور کیا ہی بدبختی ہے اس آدمی کے لیے جس میں یہ سب چیزیں اکٹھی ہو جائیں۔ انتہائی ناشکری، بد عملی اور اللہ کی ناراضگی۔

۶۔ اللہ تعالیٰ اس سود کو چھوڑ دینے کا حکم دیتا ہے جو لوگوں کے ذمہ باقی ہے۔ خواہ اس کی مقدار جتنی بھی ہو اور ساتھ یہ بھی اشارہ ہے کہ جو آدمی اس حکم الٰہی سے رو گردانی کرتا ہے اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اگر تم مومن ہو" یعنی اگر تم یہ حکم تسلیم نہیں کرتے تو پھر تم مومن ہی نہیں ہو سکتے۔

۷۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسی سخت وعید سنائی ہے جو زانی اور شرابی کو بھی نہیں سنائی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے"

یہ اسلام اور خدا کی جنگ ہے اور اس شخص کے لیے تو ہلاکت ہی ہلاکت ہے جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ یا خدا اور اس کا رسول ﷺ اس کے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہے ایسے آدمی کے لیے ہلاکت کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

۸۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا احساس دلایا گیا ہے اور اس دن کی رسوائی سے ڈرایا گیا ہے جس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ ہر انسان اپنے آپ میں ڈوبا ہوا ہوگا اور اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اس دن کی رسوائی سے بچو۔ جبکہ تم اللہ کی طرف واپس ہو گے وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ظلم ہرگز نہ ہوگا"۔

نبی اکرم ﷺ نے سود خوری کو سات ہلاک کرنے والی چیزوں میں سے شمار کیا ہے۔ اس ہلاکت کا مصداق فرد واحد بھی بن سکتا ہے اور پوری امت بھی۔ اس سے دنیا اور آخرت دونوں

جہانوں کی بربادی مراد ہے۔

اس طرح نبی ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، سودی معاہدہ تحریر کرنے والے اور اس معاملے میں گواہ بننے والے سب پر لعنت بھیجی ہے۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "الحلال والحرام فی الاسلام" میں بیان کیا ہے کہ اسلام اس کو بھی برابر کا مجرم شمار کرتا ہے جو حرام و ممنوع کام میں معاونت کرتا ہے یا اس تک پہنچانے کا سبب بنتا ہے۔

بلکہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ سود خوری زنا سے کئی گنا بڑا جرم ہے ممکن ہے کہ اس کا سبب یہ ہو کہ زنا انسان سے عارضی خواہش کی وجہ سے سرزد ہوتا ہے جس کے آگے انسان بے بس ہو جاتا ہے جبکہ سود کا راستہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے پھر اس پر انسان ڈٹا رہتا ہے اس کا سبب وقتی جذبات نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے ان دونوں گناہوں کے لیے جو وعید سنائی گئی ہے اس میں فرق ہے۔

لفظ ربٰو قرآن و سنت میں جہاں بھی آیا ہے اس سے سود مراد لیا گیا ہے۔ جو زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) میں "ربا النسیہ" یا "ربا الدیون" کے نام سے مشہور تھا۔ بعض احادیث میں ایک اور قسم کے سود کا ذکر بھی ملتا ہے جس کو "ربا الفضل" یا "ربا البیوع" کہا گیا ہے اس کو بھی نبی ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اس کو اصل سود کا راستہ بند کرنے کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ لوگ اس راستے سے اصل سود تک نہ پہنچ جائیں۔ اس کو امام ابن قیم نے بھی بیان کیا ہے۔

یہاں ہم اصل سود کے بارے میں بیان کریں گے جو سابقہ امتوں میں رائج رہا اور آج بھی مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے لیے ستون کا کام دے رہا ہے۔ یہ انسانیت پر اسلام کا احسان ہے کہ اس نے سود کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے بلکہ وہ چیزیں بھی حرام قرار دے دیں جو اس تک پہنچنے کا سبب یا معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اسلام نے اس بارے میں تحریف شدہ توراہ والا معاملہ نہیں کیا کہ یہود اگر آپس میں لین دین کریں تو اس صورت میں سود حرام ہے اور اگر دوسروں کے ساتھ معاملہ ہو تو پھر یہی سود جائز ہے۔ جبکہ اسلام میں ہر حال میں سودی لین دین حرام ہے خواہ معاملہ مسلمان کے ساتھ ہو یا غیر مسلم کے ساتھ۔ اسلام میں دوہرا معیار اور دو پیمانے نہیں ہیں۔ سب کے ساتھ ایک جیسے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ طویل عرصے تک سود جیسی آفت سے محفوظ رہا۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ انفرادی طور پر کچھ واقعات ہوئے ہوں۔ لیکن اس طرح کے انفرادی واقعات سے کوئی انسانی معاشرہ پاک نہیں رہ سکتا۔

سودی بنکاری نظام اس دور کا تحفہ ہے جب مغربی سرمایہ دارانہ استعمار کا زمانہ آیا اور اسلامی،

ممالک بھی اس کی چمک دمک سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا قانونی اور مالی نظام مسلمانوں پر مسلط کر دیا۔ بنکوں کے ذریعے سے اس سودی نظام نے اقتصادی زندگی میں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ ہماری سیاسی اور معاشری زندگی کو اپنے زرغے میں لے لیا۔

جب مسلمانوں نے اپنے وطن کو استعمار سے آزاد کرانے کی کوشش کی اور استعمار کو اپنی سرزمین سے باہر نکالنے میں کامیاب ہوئے تو ان پر لازم تھا کہ ان استعماری اثرات سے بھی اپنے آپ کو آزاد کراتے۔ جو ثقافتی، اقتصادی اور قانونی نظام کی صورت میں ہمارے ہاں موجود ہیں۔ سود بھی اسی نظام کا حصہ ہے جو ہماری اقتصادی زندگی میں عموماً اور بنکوں میں خصوصاً اس طرح جاری ہے جس طرح خون رگوں میں جاری ہوتا ہے۔ اس پورے مغربی نظام سے چھٹکارے کے بعد ہی ہمیں حقیقی اور مکمل آزادی حاصل ہو گی۔ لیکن مغربی فکر کے غلام اور ان کی تہذیب کے دلدادہ اور ان کے گماشتے اس حقیقی رجحان کے خلاف برسرپیکار ہو گئے جو امت کے ضمیر کی ترجمانی کرتا ہے اور اس کی حریت و خود اعتمادی کو برقرار رکھتے ہوئے اسے غلامی سے نکال کر قیادت و سیادت کے منصب پر فائز کرتا ہے تاکہ وہ کسی بھی سہارے سے بے نیاز ہو جائے۔

پھر کچھ لوگوں نے کوشش کی کہ مغربی نظام میں جس چیز کو حلال قرار دیا گیا ہے جبکہ وہ شریعت الٰہی میں حرام ہیں، تو آیات محکمات میں تاویل کے ذریعہ ان کو حلال ثابت کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو ساقط کر دیا جائے۔ انہوں نے مختلف قسم کے شبہات پیدا کیے ان شبہات کو ثقہ اور راسخ علماء دلائل سے رد کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کے دارالخلافوں میں میٹنگیں اور کانفرنسیں منعقد کی گئیں جس میں حاضرین اس فیصلے پر پہنچے ہیں کہ بنکوں کا سود حرام ہے اور یہ وہی ربٰو (سود) ہے جس کی حرمت میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ اقتصاد اسلامی کے لیے جو بین الاقوامی کانفرنس شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ المکرمۃ میں ہوئی تھی اس میں دنیا بھر سے فقہ، اقتصاد اور مالی امور کے تین سو سے زائد ماہرین اور تجربہ کار افراد جمع ہوئے تھے ان میں سے کسی ایک نے بھی سود کی حرمت کے خلاف رائے نہ دی بلکہ سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سود سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے غیر سودی بنکاری کا خاکہ بھی پیش کیا درحقیقت اس وقت میں نے علماءِ فقہ سے بھی زیادہ غیرت و حمیت ماہرین اقتصاد میں دیکھی۔

ایک مشہور صحافی پروفیسر فہمی ہدیدی کی بات مجھے اب تک یاد ہے اس نے کہا تھا کہ اس نے اسلامی سوچ کے رجحان میں ترقی دیکھی ہے کہ سود کے معاملے میں کانفرنس کے شرکاء میں سے

کسی ایک رکن نے بھی اختلاف نہیں کیا اور اس بارے میں تمام شرکاء نے یکجہتی کا مظاہرہ کیا ہے جبکہ چند سال قبل کوالالمپور میں منعقدہ کانفرنس کے دوران شرکاء دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے کچھ لوگ سود کو قطعی حرام قرار دے رہے تھے جبکہ کچھ لوگ توجیہات سے اس کو حلال قرار دینا چاہتے تھے۔

سود کا مسئلہ طے ہونے کے بعد دوسرا مرحلہ سودی بنکاری کے مقابلے میں اسلامی بنکاری کا ہے ہر جگہ سوال کیا جاتا ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سود حرام ہے لیکن اس کا متبادل ہو تو پیش کیجیے؟

یہ بات تو طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے کوئی ایسی چیز حرام نہیں کی جس کا کوئی حلال نعم البدل نہ ہو بلکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ حلال و طیب چیز موجود ہوتی ہے جو ہمیں حرام راستہ اختیار کرنے سے بچا سکتی ہے۔ پھر چاہیے تو یہ تھا کہ اسلامی ممالک سود اور دوسرے غیر شرعی معاملات سے پاک بنکاری نظام کو خوش آمدید کہتے اور اس میں تعاون کرتے ہوئے اس نظام کو آگے بڑھانے کے لیے کام کرتے۔ تاکہ تمام بنک استعماری نظام سے چھٹکارا حاصل کرتے ہوئے اسلامی بنکاری کرتے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ بعض ممالک نے اسلامی بنکوں کا گلا گھونٹنے اور اس کے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی۔ ان کو اسلامی بنکوں کے نام سے پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اسلام کا بنکاری نظام سے اور ان کے بنکوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بات کا یہ بنک انکار بھی نہیں کرتے کیونکہ یہ تو اس نظام کا حصہ ہیں جس کو استعمار نے ان ممالک اور ان میں رہنے والے ان لوگوں پر مسلط کیا ہے جو ذہنی طور پر ابھی تک غلام ہیں۔

دوسری چیز جو ان ممالک کے سربراہان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے یا بٹھائی گئی ہے وہ یہ کہ اسلامی بنکاری نظام تو اسلامی تحریک کو تقویت پہنچائے گا جس کے نتیجے میں اسلامی بیداری پیدا ہو گی۔ یہ ایک ایسا وہم پھیلایا گیا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے اسلامی بنکوں اور اسلامی تحریک میں کام کے دوران میں مشاہدہ کیا ہے کہ اسلامی بنکوں کے ذمہ داران کا اسلامی تحریکوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ داخلی اور خارجی بہت سی اطراف سے ان سربراہان کو صراحت سے ہر اسلامی چیز سے ڈرایا جا رہا ہے خواہ وہ اسلامی بنک ہوں، اسلامی مدارس ہوں، اسلامی رسالے ہوں، اسلامی کتابیں ہوں یا اسلامی یونیورسٹیاں ہوں بلکہ مساجد میں دیئے جانے والے درس، ریڈیو اور ٹیلیوژن سے پیش کی جانے والی دینی باتیں اور جمعہ کے دن پیش کیا

جانے والا دینی پروگرام اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔ حتیٰ کہ ۱۹۸۸ء میں طے کی جانے والی مشہور حکومتی حکمت عملی (بحوالہ الاھرام ۱۹۸۸ء) میں بھی حکومت کے لوگوں کو زیادہ دینی نشرو اشاعت، غیر سیاسی دینی جماعتوں کو کام کرنے کی اجازت اور غیر سرکاری مساجد کی زیادتی سے خبردار کیا گیا تھا کیونکہ یہ چیزیں بقول ان کے معاشرے میں دینی فضا پیدا کرنے کا سبب بن رہی ہیں جو کہ دینی افکار کے تیزی سے پھیلنے میں مددگار ثابت ہو گی۔

مختلف انداز سے انہیں صراحتاً اسلام اور مسلم قوم کی بقاء اور ہر اس ادارے سے متنبہ کیا جا رہا ہے جو دینی اخلاق و سلوک کو طاقت پہنچانے کا سبب بن رہا ہو۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مسلم قوم کا ایمان کمزور کیا جائے اور ان اداروں کو بھی غیر مؤثر بنا دیا جائے جو ایمان کو غذا پہنچاتے اور دینی غیرت و حمیت کو بھڑکاتے ہیں اور دین کے ساتھ چمٹے رہنے کا سبق دیتے ہیں۔ اس سے تو بہتر یہ تھا کہ ان تمام اداروں کو ختم کر دیا جاتا۔ اس طرح قوم دین کے بغیر زندگی بسر کرتی اور وہ لوگ مطمئن ہو جاتے جو مسلم قوم سے خائف ہیں اور جن کے دل مضطرب و پریشان ہیں۔ صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جو اپنے دین سے برگشتہ ہے جبکہ یہودی، نصرانی، ہندو اور بودی اپنے اپنے دین پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ دشمنان اسلام تو پہلے دن سے یہی کچھ چاہتے تھے جیسا کہ نص صریح کے ذریعے قرآن نے بھی اس کو بیان کیا ہے:

" ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا " ترجمہ: وہ تو تم سے لڑے ہی جائیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہارے دین سے تم کو پھیر لے جائیں۔ (البقرۃ: ۲۱۷)

یہاں میں چاہتا ہوں کہ دو بنیادی باتوں کا ذکر کروں۔

پہلی یہ کہ دشمنان اسلام نے اسلام کی شوکت کو کمزور کرنے، ایمان کی چنگاری کو بجھانے اور امت مسلمہ کو اسلام سے دور کرنے کی جتنی کوششیں کی ہیں اس نے اسلام کو اتنا ہی زیادہ مضبوط کیا ہے۔ کیونکہ یہ چیز مسلمانوں کے اندر چیلنج قبول کرنے کی روح پھونک دیتی ہے اور اپنی ذات کے دفاع کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر وہ لوگ اسلام کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں تو اللہ کی تدبیر سب سے قوی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم و یابی اللہ الا ان یتم نورہ ولوکرہ الکافرون" ترجمہ: یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ (التوبہ: ۳۲)

درحقیقت اس امت کی نجات اسلام میں ہے، اسلام سے ہی اس میں تحریک پیدا ہو سکتی ہے اور اسی

پر یہ جمع ہو سکتی ہے۔ یہی واحد عامل ہے جو اس کو نیند سے بیدار کر سکتا ہے اور اس کا جمود توڑ سکتا ہے۔

اسلام لوگوں کو جانی و مالی قربانی دینے پر تیار کرتا ہے اور لوگوں کو وہ ضابطۂ حیات عطا کرتا ہے جس سے التزام اور تقویٰ جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں اور جس سے مسلمان کے اندر اچھے اخلاق و صفات اجاگر ہوتی ہیں اسلام ہی امت مسلمہ کو ایک ہدف اور پیغام دیتا ہے جس کے لیے اس کا جینا اور مرنا ہو۔ اس کے خلاف جو بھی راستہ اختیار کیا جائے گا وہ اس قوم کے ساتھ بد دیانتی ہو گی اور دشمنان اسلام اسی کے منتظر ہیں۔ اس لیے میں ان ظالمانہ حملوں اور مجرمانہ کوششوں کی وجہ سے پریشان ہوں جو اسلامی بیداری پر کاری ضرب لگانے کے لیے کیے گئے ہیں۔ یہ اسلامی بیداری ہی اس امت کے لیے امید کی کرن اور اس کا مستقبل ہے جو اس راہ میں کام کرنے والوں اور اس کی طرف بلانے والوں کی شکل میں اور ان اداروں کی شکل میں موجود ہے جو امت مسلمہ کے حال و مستقبل کی بھلائی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اس بیداری کی مخالفت کرنے والے یا تو احمق و بے وقوف ہیں جو غیر شعوری طور پر دین و ملک کے دشمنوں کی خدمت کر رہے ہیں یا پھر وہ لوگ فریب کار ہیں جو چند ٹکوں کی خاطر جانتے بوجھتے ہوئے یہ کام کر رہے ہیں۔

" ويقولون على الله الكذب و هم يعلمون " ترجمہ: وہ محض جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے۔(آلِ عمران:۷۵)

اس سے زیادہ باعث تعجب ان بعض ممتاز علماء کا عمل ہے جو اس لہر میں بہے جا رہے ہیں اور غیر شعوری طور پر اسلامی فکر اور اسلامی اداروں کو ختم کرنے میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ اس کی ایک مثال اسلامی بنکوں کو ختم کرنے کی کوشش ہے۔ وہ مسئلہ جس کو بین الاقوامی اسلامی علمی و تحقیقی ادارے طے کر کے فارغ ہو چکے تھے اس پر نظر ثانی کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس نظر ثانی کا مقصد سرکاری طور پر فتویٰ جاری کروا کر بنکوں کے سود کو حلال قرار دینا ہے جو عالمی سودی بنکاری نظام کی طرح چلائے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ بات ناممکن ہے کہ یہ سرکاری فتویٰ ان فتوؤں کا مقابلہ کر سکے جو کہ علمی کونسلوں اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں متفقہ طور پر جاری کیے گئے یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کے لیے کیوں حیلہ سازی کی جا رہی ہے؟ کیا یہ اس سودی بنکاری کی خدمت کے لیے کیا جا رہا ہے جن پر اربوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں اور ان کو داخلی و خارجی طاقتوں کی حمایت حاصل ہے یا یہ سب کچھ اسلامی بنکاری کا گلا گھونٹنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ یہ اسلامی بنک قومی ادارے ہیں جو وطن اور لوگوں کی ایسے طریقے سے خدمت کر رہے ہیں

جس سے اللہ بھی راضی ہوتا ہے اور لوگوں کے ضمیر بھی مطمئن ہیں۔ یہ بنک ملکی ترقی کے علاوہ مختلف لوگوں کی مشکلات میں جائز طریقے سے ان کی مدد کرتے ہیں اور زکوٰۃ کی صورت میں معاشرے سے غربت ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ادارے زیرِ زمین کام نہیں کرتے بلکہ یہ سب کچھ حکومت کی نگرانی میں ملکی قوانین کے تحت کر رہے ہیں اس کے بعد اب حکومت کے لیے کسی صورت میں جائز نہیں ہے کہ اس چیز کو حلال کرنے کے لیے فتویٰ حاصل کرے جس کے بارے میں سب کا اتفاق اور اجماع ہو چکا ہے کہ یہ وہی سود ہے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ حکومت کو اس طرح کے کام سے نقصان ہو گا فائدہ کچھ حاصل نہ ہو گا۔ علماء کے لیے بھی یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ عجلت میں اس مسئلہ کے بارے میں رائے یا فتویٰ دیں جس پر پہلے سے پوری اسلامی دنیا کے ثقہ علماء کا اجماع ہو چکا ہے۔ اگر انہوں نے اس اجماع کے خلاف کوئی فتویٰ دے بھی دیا تو عام لوگ ان کے فتوے سے مطمئن نہیں ہوں گے اور کہیں گے کہ یہ تو سرکاری علماء کا فتویٰ ہے۔ چنانچہ عامۃ الناس میں ان کی عزت و وقار ختم ہو جائے گا اور اللہ کے ہاں تو پہلے ہی ان کا مقام گر چکا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ کسی عالم دین کو اس بڑے گناہ میں نہ ڈالے۔ اللہ تعالیٰ ہماری امت کو اور ہمارے وطن کو ہر اس چیز سے نجات دے جو اس کو غم و پریشانی میں مبتلا کر دے اور اپنے آپ سے غافل کر دے۔ آمین

ربنا علیک توکلنا و الیک انبنا و الیک المصیر. ربنا لاتجعلنا فتنة للذین کفروا و اغفرلنا ربنا انک انت العزیز الحکیم.

یوسف القرضاوی

حصہ اول

ربٰو اور بنک کا سود

سود کے بارے میں آج کل ہونے والی اس بحث پر مجھے بڑا افسوس ہوا جس میں یہ بات چھیڑی گئی ہے کہ کیا بنکوں سے ملنے والا سود حلال و پاک ہے یا حرام و نجس ہے؟ افسوس مجھے اس لیے ہوا ہے کہ ہم اس مسئلہ کو طے کر کے آگے بڑھتے ہوئے کئی مراحل طے کر چکے تھے اور اسلامی اقتصاد کا نظام قائم کرنے کے لیے عملی اقدامات شروع کر دیئے تھے۔ جس میں اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال قرار دیا جائے اور اس نے ہم پر جو فرائض و واجبات عائد کیے ہیں ان کو ٹھیک طور پر ادا کیا جائے گا۔

یہ کوئی دانش مندی نہیں ہے کہ ہم پیچھے کی طرف لوٹ کر اس مسئلہ کی بحث و تمحیص شروع کر دیں جس کو آج سے چوتھائی صدی پہلے ان علمی کونسلوں، سیمیناروں اور کانفرنسوں میں طے کر لیا گیا تھا جو اس مقصد کے لیے منعقد کی گئی تھیں۔ کیا ہم پر یہی فرض عائد کیا گیا ہے کہ کولھو کے بیل کی طرح چکر کاٹتے رہیں تاکہ نہ یہ مسئلہ ختم ہو اور نہ ہم ان دوسرے بڑے مسائل کی طرف توجہ دے سکیں جو ہمیں درپیش ہیں۔ کیا یہ ہمارے خلاف کوئی سازش تو نہیں جس کے پیچھے وہ طاقتیں کام کر رہی ہیں جو ہمیں نقصان پہنچانے کے درپے ہیں جو مسلمانوں سے خائف ہیں اور ان کے دل مسلمانوں کے خلاف بغض سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس وہ تمام وسائل موجود ہیں جن سے سازشی کھیل سکتے ہیں چنانچہ ہمارے اندر اثر و نفوذ حاصل کر کے ایک ایسا گروہ پیدا کر سکتے ہیں جو زمانے کی گھڑی کی سوئی کو پیچھے لوٹا دے۔ ان افکار کو دوبارہ زندہ کر دے جو مٹ چکے ہیں اور ان مسائل کو ابھار دے جن کو اسلامی بیداری کی لہر نے قصہ پارینہ بنا دیا ہے۔ کیا ہم ان خوابیدہ مسائل کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ دامن گیر رہیں۔ کہیں ہماری مثال اس احمق عورت کی طرح نہ ہو جس کی مثال قرآن نے دی ہے کہ وہ سوت کاتتی اور پھر اس کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر دوبارہ کاتنا شروع کر دیتی "ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا" ترجمہ: تمہاری حالت اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت سے

سوت کاتا اور پھر آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ (نحل: ۹۲)

میں حیرانگی یا یہ کہیے کہ غم و قلق میں مبتلا ہوں کہ فکرِ اسلامی کے میدان میں یہ کیا ہو رہا ہے، کیوں اور کس کھاتے میں ہو رہا ہے؟ بغیر فائدے کے طاقت ضائع کرنا تو ایسا ہے جیسے اس قافلے کی باگ ڈور سنبھالنا جو چل بھی رہا ہو لیکن ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ رہا ہو اور نہ کبھی منزل مقصود تک پہنچنے والا ہو۔ میں ان لوگوں کو تو کسی حد تک معذور سمجھتا ہوں۔ جنھوں نے بیسویں صدی کے پہلے نصف حصے میں سودی منافع کو حلال قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب مغربی ثقافت اپنی اوجِ کمال پر تھی اور اس کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہی تھی۔ جبکہ ہماری ثقافت مٹ چکی تھی۔ ہماری قوم ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہی تھی اور ہماری عقل و سوچ اس نئی ثقافت کے سامنے مغلوب ہو چکی تھی اور یہ سرمایہ دارانہ نظام جو سودی نظام کے سہارے قائم ہے دنیا کی قیادت کر رہا تھا اسی لیے وہ جو چاہتا تھا، کرتا تھا۔ اس صورت حال میں یہ امر باعث تعجب نہ تھا کہ بعض مسلمانوں نے کوشش کی کہ مغربی فکر کے سامنے اپنی شکست کو تاویل کے ذریعے شریعت سے منسوب کر دیں اور محکم آیات میں تاویل کر کے یہ ظاہر کریں کہ یہ آیات متشابہات میں سے ہیں بہرحال یہ سب کچھ مسلمانوں نے اپنی مرضی اور سوچ سے سر انجام نہیں دیا بلکہ یہ سب کچھ اوپر سے ان پر عائد کیا گیا تھا۔

ان تاویل کرنے والوں نے اپنے فتووں سے یورپی آقا کو مسلمان شیخ کا عمامہ پہنانے کی کوشش کی تاکہ لوگ اس کو قبول کر لیں کیونکہ اکثر لوگ ظاہری شکل سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور باطن میں نہیں جھانکتے۔ ان تاویل کرنے والوں نے راسخ علماء کے دلائل کے سامنے شبہات کا کمزور جال بنا۔ لیکن ان دلائل کے سامنے تمام شبہات یکے بعد دیگر ختم ہوتے گئے۔

اس کے بعد وہ مرحلہ شروع ہوا جب اسلامی فکر کے حامل افراد نے اسلام کے موقف حرمت ربٰو کے دفاع میں متعدد کتابیں اور رسالے لکھے۔ جن میں یہ بیان کیا گیا کہ سود کو حلال قرار دینے میں کتنی معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور اقتصادی نقصانات اور خرابیاں ہیں نیز اسلامی اقتصادی نظام کی خصوصیات بھی بیان کی گئیں کہ اقتصادِ اسلامی میں میانہ روی، حقیقت کا لحاظ اور اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی عنصر کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ یوں اسلامی فکر میں کافی پیش رفت ہوئی اس مرحلے میں غور و فکر کیا گیا کہ سودی نظام کا متبادل نظام کس طرح چلایا جائے گا، اس کے اوصاف اور قوانین وضع کیے گئے، سوچ و بچار کی گئی کہ ممنوعہ ذرائع سے بچتے ہوئے وہ کون سے جائز و حلال ذرائع ہو سکتے ہیں جن سے سرمایہ کاری کی جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بعض مخلص لوگوں کو توفیق دی جنھوں نے اقتصادی ماہرین کے تعاون سے سودی بنکوں کی جگہ اسلامی بنک قائم کیے ان بنکوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور ان کا دائرہ کار بھی وسیع ہو رہا ہے اور آج ہم اس مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں کہ اسلامی بنک ترقی کر رہے ہیں ان کے طریقہ کار میں بہتری پیدا ہو رہی ہے اور وہ بعض ان مشکلات سے چھٹکارا حاصل کر رہے ہیں جو ان کو ابتداء میں درپیش تھیں۔ مثلاً بنکوں کی ترقی کے لیے سازگار ماحول اور ایسے افراد کی تیاری جو اسلامی فکر و سلوک کے ساتھ ساتھ اقتصادی اور تنظیمی امور میں وسیع تجربہ رکھتے ہوں۔ کیا اب یہ مناسب ہے کہ ان تمام مراحل کو طے کرنے کے بعد ہم ایک بار پھر پیچھے کی طرف لوٹ جائیں اور سود کی حلت و حرمت کے بارے میں بحث شروع کر دیں؟

کچھ مدت تک تو ہم سے یہ کہا گیا کہ ایسے اسلامی بنک جس میں سود کا تصور نہ ہو بلکہ اسلام کے اقتصادی نظام ہی کا خواب دیکھنا چھوڑ دو۔ کیونکہ اقتصاد انسانی زندگی کے لیے، بنک اقتصاد کے لیے اور سود بنک کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ بلاسود بنکاری کا نظام قائم کرنا ایک محال کام کے مترادف ہے۔ لیکن الحمد للہ ہم نے حقیقت واقعہ میں اسلامی بنک دیکھے اور مسلمانوں نے ان میں ایسی دلچسپی لی جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ میں نے اس سیمینار میں شرکت کی تھی جو جمعیۃ الاقتصاد اسلامی نے قاہرہ میں منعقد کیا تھا اس میں فقہ، اقتصاد اور قانون کے سو سے زیادہ علماء و ماہرین شریک ہوئے تھے۔ حاضرین میں سے صرف ایک ماہرِ اقتصاد کے علاوہ سب نے سود کی حرمت پر اجماع کیا تھا۔ اس ایک ماہر نے بھی بعض ایسے شبہات کو بنیاد بنایا جن کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اس نے کہا کہ مشارکت، مضاربت اور مرابحت سود کا بدل نہیں بن سکتیں بلکہ سود کا بدل قرض حسنہ ہے اصل میں وہ کہنا یہ چاہتا تھا کہ اسلامی بنکاری، سودی بنکاری کا بدل نہیں بن سکتی وہ یہ بات بھول گیا کہ قرآن میں رِبٰو (سود) کو درج ذیل چیزوں کا مدمقابل قرار دیا گیا ہے۔

• صدقہ: جس کا مطلب قرضِ حسنہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یمحق اللّٰہالربا و یربی الصدقات" ترجمہ: اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے۔ (البقرہ:۲۷۶)

بیع (تجارت): اس سے مراد مشارکت، مضاربت اور مرابحت ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے: "واحل اللہ البیع و حرم الربا۔" ترجمہ: اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام۔ (البقرہ:۲۷۵) چنانچہ جو آدمی اپنے ذاتی اخراجات کے لیے سود پر پیسے لیتا ہے

اسکا متبادل صدقہ ہے اور جو آدمی تجارت کی غرض سے سود پر پیسے لیتا ہے اس کا متبادل بیع اور اس کی مختلف اقسام ہیں۔

چنانچہ میں ان لوگوں کو تو معذور سمجھتا ہوں جو بیسویں صدی کے نصف اول میں مغربی تہذیب و ثقافت کے پیچھے زبان اٹھائے بھاگ رہے تھے اور ان کے افکار کو اپنا رہے تھے اور چاہتے تھے کہ ہم بھی ہر اچھی اور بری، میٹھی اور کڑوی چیز میں ان کی نقل اتاریں۔ لیکن میں ان کو معذور نہیں سمجھتا جو آج بھی اباحت پسند بننے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ مغربی ثقافت آج خود اپنے وطن سے مفقود ہو رہی ہے۔ آئیے ان دلائل کا جائزہ لیں جو سود کی اباحت کے قائل ان حضرات کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں۔

پیداواری اور غیر پیداواری سود

سب سے پہلی بات یہ کہی جاتی ہے کہ وہ سود جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے وہ صرفی قرضوں کا سود (ربا الاستهلاک) ہے۔ یہ وہ قرض ہے جو ضرورت مند اپنی ذاتی ضروریات اور اہل و عیال کی ضروریات مثلاً کھانے پینے، لباس و علاج وغیرہ کے لیے لیتا ہے۔ اس صورت میں دراصل ایک ایسے ضرورت مند آدمی سے سود لیا جاتا ہے جو محتاجی کی وجہ سے قرض لینے پر مجبور ہوا ہے چنانچہ حریص سود خور اس کو اس شرط پر قرض دینے پر آمادہ ہوتا ہے کہ وہ سو روپے سے کچھ زائد مثلاً ایک سو دس روپے ادا کرے۔ اس لیے ربا الاستهلاک حرام قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہ توجیہ کہ زمانہ جاہلیت میں یہی سود مروج تھا استعماری دور سے پہلے تیرہ صدیوں میں کسی ایک مسلمان فقیہ نے بھی پیش نہیں کی۔ یہ تو ایک مطلق نص کو ظن و خواہش کی بنیاد پر مقید کرنا ہے۔ سورۃ نجم میں اللہ تعالیٰ نے اسی فعل کی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ان یتبعون الا الظن و ماتهوی الا نفس و لقد جاء هم من ربهم الهدی" ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشات نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ (نجم: ۲۳)

اور پھر تاریخ بھی ان کی مندرجہ بالا تاویل کو جھٹلاتی ہے کیونکہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جو سود مروج تھا وہ " ربا الاستهلاک " نہیں تھا، جو انسان اپنی شخصی ضروریات کے لیے لیتا ہے اور نہ ہی تاریخ میں یہ ملتا ہے کہ کسی عرب دولت مند نے اس آدمی سے سود کا مطالبہ کیا ہو جس نے روزمرہ کی ضروریات کے لیے اس سے قرض لیا ہو۔ اگر اس طرح کا کوئی نادر واقعہ پیش آیا ہو تو

احکام ایسے نادر واقعات کی بنیاد پر قائم نہیں کیے جاتے۔

عہد جاہلیت میں جس سود کا رواج تھا یہ وہی سود تھا جو تجارتی لین دین پر لیا جاتا تھا۔ ان دنوں تجارت ان قافلوں کی صورت میں ہوتی تھی جو سردی اور گرمی کے موسم میں دو دفعہ آتے جاتے تھے۔ لوگ ان کو اپنا سرمایہ دیتے تھے تاکہ اس سے تجارت کے ذریعے نفع حاصل کریں۔ یہ لین دین دو طرح کا ہوتا تھا یا تو مضاربت کی صورت میں کہ اس مال سے جو نفع حاصل ہوگا اس کو پیشگی شرائط کے مطابق فریقین آپس میں تقسیم کریں گے اور اگر تجارت میں نقصان ہوا تو نقصان صاحب المال پر ہوگا اور دوسری صورت یہ تھی کہ اس قرض پر پیشگی نفع مقرر کر لیا جاتا تھا۔ یہی ربٰو (سود) ہے۔

اسی قسم کا سود عمِ رسول ﷺ حضرت عباسؓ بن مطلب لیا کرتے تھے۔ جس کو حضور اکرم ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر بطور نمونہ معاف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: جاہلیت کا سود جو لوگوں کے ذمہ باقی ہے وہ ختم ہو چکا ہے اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباسؓ کا سود ختم کرتا ہوں درحقیقت کوئی انصاف پسند آدمی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ حضرت عباسؓ جو کہ زمانہ جاہلیت میں حاجیوں کو نیکی سمجھتے ہوئے ستو وغیرہ پلاتے تھے ان کا طرز عمل ان حریص یہود کی طرح ہو جو بھوک سے مرتے ہوئے انسان کو اس شرط پر قرض دیتے ہیں کہ وہ اس پر سود ادا کرے۔

اگر وہ سود جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے صرف وہ سود ہے جو شخصی ضروریات کے لیے، لیئے جانے والے قرض پر ہو جس طرح آج کل کچھ لوگ دعوٰی کر رہے ہیں تو نبی ﷺ کے اس قول کی کوئی توجیہ باقی نہیں رہتی جس میں (بھوک مٹانے کے لیے) سود پر قرض لینے والے پر بھی لعنت بھیجی گئی ہے جبکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس آدمی کو جس کو بھوک کی وجہ سے ہلاکت کا خدشہ ہو مردار، خون اور سور کا گوشت جو کہ عین نجس ہیں کھانے کی اجازت دی ہے

اللہ تعالٰی نے فرمایا: "فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه ط ان الله غفور رحيم" ترجمہ: ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرہ: ۱۷۳)

امام مسلم نے صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول ﷺ نے سود لینے والے، ادا کرنے والے، لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والے سب پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا یہ سب برابر ہیں۔ اسی طرح ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سود خور اور سود ادا کرنے

والے پر لعنت بھیجی ہے۔ اس طرح کی احادیث ان دو صحابہ کے علاوہ دوسروں سے بھی مروی ہیں۔

حرمتِ ربٰو کی حکمت کا مسئلہ

سود کی حلت پر آج کل جو نئی چیز بطور دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ سود کی حرمت کی جو حکمت تھی وہ آج باقی نہیں رہی۔ اس میں حکمت، مقروض کو قرض دینے والے کے اس ظلم سے بچانا تھا جو کہ سود کی صورت میں اس پر مزید بوجھ ڈال کر کرتا ہے۔ لیکن آج کل جو بنک سود ادا کرتے ہیں ان کی مالی حالت مضبوط ہوتی ہے اور اس کے برعکس سود لینے والے کمزور ہوتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ہزاروں کے مالک ہوتے ہیں۔ پھر بنک اس سرمائے کو نفع و نقصان کے پہلو کو دیکھتے ہوئے نفع دینے والی تجارت، صنعت وغیرہ میں لگاتا ہے جس سے خسارے کا امکان ختم ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی ایک سودا خسارے میں جاتا بھی ہے تو دوسرے سودے اس خسارے کو پورا کر دیتے ہیں اسی طرح اگر بنک کی کوئی ایک شاخ خسارے میں جاتی ہے تو مرکزی سطح پر بنک اس خسارے کو پورا کر دیتا ہے۔ یہ بہت کمزور دلیل ہے ذیل میں ہم نے اس کا جائزہ ہے۔

اولاً: عمومی قاعدہ یہ ہے کہ شرعی احکام کی بنیاد علت پر ہوتی ہے نہ کہ حکمت پر۔ کیونکہ علت ظاہری وصف ہے جو حکم پر واضح علامت ہوتی ہے جبکہ حکمت کی تحدید نہیں ہو سکتی۔ لوگوں کی سوچ و فکر میں اختلاف ہوتا ہے اس لیے لوگ تحدید حکمت میں ایک چیز پر متفق نہیں ہوسکتے۔

ثانیاً: فرض کیجیے کہ اگر ہم حکم کی بنیاد علت پر نہیں رکھتے بلکہ حکمت پر رکھتے ہیں جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے تو ضروری ہے کہ وہ حکمت، جامع و مانع ہو پوری صورتوں اور جہتوں کو احاطہ کیے ہوئے ہو۔

اگر دولت مند آدمی اس غریب حاجت مند آدمی کو سود پر قرض دیتا ہے جو اپنا اور اہل و عیال کا پیٹ بھرنے کے لیے یہ قرض لے رہا ہے تو وہ حکمت اس صورت کو احاطہ نہیں کرتی اور صرفی قرضوں کے سود پر اعتراضات کا جواب ہم واضح دلائل سے دے چکے ہیں۔ اصل حکمت یہ ہے کہ: مال کو مال پیدا نہیں کرتا بلکہ مال تو عمل اور محنت سے بڑھتا ہے۔ اسی لیے اسلام ملکیت مال اور اس کو مزید بڑھانے کو اس وقت تک حرام قرار نہیں دیتا جب تک یہ مال حلال طریقے سے کمایا جائے اور صحیح راستے پر خرچ کیا جائے۔ اس بارے میں قرآن کا موقف انجیل کی طرح نہیں

ہے۔ انجیل میں ہے: کہ دولت مند آدمی جنت میں داخل نہیں ہو گا یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔ اس کے مقابلے میں اسلام تو کہتا ہے کہ نعم المال الصالح للمرء الصالح. (احمد و حاکم) "پاکیزہ مال صالح آدمی کے لیے کیا ہی اچھا ہے"۔

صالح مال وہ ہے جو حلال راستے سے کمایا گیا ہو اور پھر اس سے سرمایہ کاری بھی حلال طریقے سے کی گئی ہو۔ خواہ خود کمایا ہو یا کسی دوسرے کی مشارکت سے۔ اسلام نے مال اور عمل کا تعاون جائز قرار دیا ہے۔ اس میں طرفین اور معاشرے کی بھلائی کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس اشتراک کا تقاضہ ہے کہ فریقین نتیجہ میں برابر کے شریک ہوں۔ وہ نتیجہ خواہ نفع کی صورت میں ہو یا خسارے کی صورت میں اور نفع کم ہو یا زیادہ، فریقین مقررہ نسبت سے تقسیم کریں گے۔ اسی طرح خسارے میں بھی دونوں شریک ہوں گے۔ صاحب مال کا خسارہ مال کی صورت میں ہو گا اور دوسرے فریق کا خسارہ اس کی محنت کے ضیاع کی صورت میں ہو گا۔ یہی پورا عدل و انصاف ہے کہ "الغرم بالغنم والخراج بالضمان" یعنی فائدے کا حصول خسارے میں شرکت کے ساتھ مشروط ہے

بعض ملکوں میں بعض بنکوں نے اپنے حصہ داروں کو پچاس فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ منافع تقسیم کیا ہے تو کھاتہ داروں کو صرف دس فیصد کیوں دیا جاتا ہے؟ اور بعض ملکوں میں بعض اوقات اس کے برعکس ہوتا ہے تو یہاں کھاتہ داروں کا حصہ کم کیوں نہیں کیا جاتا؟ جبکہ حرمت سود میں واضح حکمت مال اور عمل کے اشتراک میں عدل کے پہلو کو یقینی بنانا اور نقصان اور اس کے نتائج کو ذمہ داری اور بہادری کے ساتھ برداشت کرنا ہے۔

اسلام ایک عادلانہ نظام ہے، نہ وہ صاحب مال کے خلاف عامل کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے اور نہ عامل کے خلاف صاحب مال کی طرفداری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ عادل ہے اس لیے وہ کسی فریق کے خلاف دوسرے فریق کی طرفداری نہیں کرتا۔

کمرشل بنک اور سرمایہ کاری

بنکوں کی بیلنس شیٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات کہ کمرشل بنک خود تجارت، صنعت اور ان کے علاوہ دوسرے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرتے ہیں، خلاف حقیقت ہے۔ اصل میں بنک قرض، ادھار اور امانت کے ذریعے سے کاروبار کرتے ہیں۔ ان کا کام خرید و فروخت، زراعت اور صنعت وغیرہ نہیں ہے۔ بنک دراصل زید، عمر یا بکر وغیرہ سے بارہ فیصد سود پر قرض لیتا ہے پھر

وہی سرمایہ دوسروں کو زیادہ مثلاً پندرہ فیصد سود پر دیتا ہے۔ اس طرح جو بچت ہوتی ہے وہی بنک کا منافع ہے۔

یہی مرکزی بنک کی ذمہ داری اور اس کا مشن ہے۔ یہ سب سے بڑا سود خور ہے جو ان چھوٹے سود خوروں کی نیابت کر رہا ہے جو قدیم زمانہ میں تھے۔ یہ سود خوروں کا ایجنٹ ہے جو سود کھاتا بھی ہے اور دیتا بھی ہے۔

یہ بات کہ آج کل کے بنک کبھی خسارہ نہیں اٹھاتے، صحیح نہیں ہے۔ ہم نے بارہا پڑھا ہے کہ مختلف ملکوں کے بنک دیوالیہ ہو گئے جس میں ہمارا ملک (مصر) بھی شامل ہے۔ امریکہ جو بنکوں اور سرمایہ کاری کا ملک ہے اس میں ۱۹۸۷ء میں ۱۳۷ بنکوں نے دیوالیہ ہونے کا اعلان کیا اور اسی طرح یا اس کے قریب قریب، اگلے دو سالوں میں بھی ہوا۔ چلیے ہم ان کے قول کے مطابق فرض کر لیتے ہیں کہ بنک کو خسارہ نہیں ہوتا۔ پھر قابل غور بات یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی بنک سے کسی منصوبہ میں سرمایہ کاری کے لیے قرض لیتا ہے تو کیا اس منصوبہ میں خسارے کا احتمال نہیں ہے۔ پھر آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ وہ منصوبہ تو خسارے میں جائے اور بنک ہمیشہ منافع کمائے؟

سود میں مصلحت؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سود کو جائز قرار دینا، باعث منفعت ہے لیکن یہ ایک غلط تصور ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔

اولاً: جس آدمی نے احکام شریعت کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اسے علم یقین کی حد تک معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ایک نہایت مہربان ذات ہے اس نے لوگوں کے لیے کوئی ایسی چیز حرام نہیں کی جو حقیقتاً اچھی اور فائدے بخش ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بری اور مضر چیز کو حرام قرار دیا ہے وہ مضرت چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی۔

اس لیے نبی ﷺ کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے: "یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث" ترجمہ: وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، اُن کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۷)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاں فائدہ و منفعت ہو گی اللہ نے اس کو جائز ہی قرار دیا ہو گا۔ یہ بات درست ہے لیکن یہ وہاں صادق آتی ہے جہاں پہلے سے اللہ کا حکم موجود نہ ہو اور اس کو

ہمارے اجتہاد پر چھوڑ دیا گیا ہو اور جہاں اللہ کا حکم پہلے سے موجود ہے تو پھر یہ کہنا درست ہوگا کہ اللہ نے ہمارے لیے اس چیز کو جائز قرار دیا ہے جس میں ہمارے لیے فائدہ تھا۔ اور اس چیز کو حقیقت، تاریخ اور سائنسی تحقیقات نے ثابت بھی کر دیا ہے۔

ثانیاً: اقتصادی اور سیاسی ماہرین کا نظریہ ہے کہ سود بہت سے بحرانوں کا سبب بنتا ہے۔ جن کا دنیا کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی اقتصاد میں اس وقت تک درستگی نہیں آ سکتی جب تک شرح سود صفر نہ ہو جائے۔ یعنی سود بالکل ختم نہ کر دیا جائے۔

ثالثاً: عرب اور اسلامی ممالک میں معیشت کو اگر خالص عملی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو آخر سود سے انہوں نے کیا حاصل کیا ہے؟ جس کو یہ نفع کہہ رہے ہیں۔

اندرونی طور پر بہت سے قلیل وسائل رکھنے والے ہنر مند افراد کو نقصان پہنچایا ہے جبکہ دوسری طرف امیر امیر تر اور طاقتور طاقتور تر بنتا جا رہا ہے۔ کیونکہ بنک نے ان کو ایسا سرمایہ مہیا کر کے امیر تر بننے کا موقع فراہم کیا ہے جو ان کا ذاتی نہیں بلکہ غریبوں اور عام صارفین کا ہوتا ہے۔

جب سے استعمار ہمارے ملکوں میں داخل ہوا ہے اور ہم نے اس سے سودی لین دین شروع کیا ہے اس وقت سے پسماندگی سے ترقی کی طرف نہیں چل سکے اور نہ ہی زراعت یا سول و فوجی صنعت میں خود کفالت حاصل کر سکے ہیں۔ بلکہ اس وقت سے ہم اس وعید کا سامنا کر رہے ہیں جو اللہ نے سود خوروں کو دی ہے کہ: "يمحق الله الربا"۔ ترجمہ: اللہ سود کا مٹھا ردیتا ہے۔ یعنی اس مال میں برکت ختم کر دیتا ہے۔

ایک ماہر اقتصاد نے سچ کہا ہے کہ سود اقتصادی زندگی کے لیے ایڈز (AIDS) کی طرح ہے۔ جس سے زندگی میں دفاعی نظام ختم ہو جاتا ہے اور یہ بالآخر ہلاکت و بربادی تک پہنچا دیتا ہے۔ ہمارے لیے بطور عبرت یہ اندوہناک چیز کافی ہے کہ اس سودی نظام نے قرضوں کی صورت میں تیسری دنیا کی کمر توڑ ڈالی ہے۔ صرف مصر کا واجب الادا قرض چوالیس ہزار ملین ڈالر تک پہنچ چکا ہے اگر اس پر دس فیصد سود لگائیں تو صرف سود چار ہزار چار سو ملین ڈالر بنتا ہے جبکہ قرضوں کا سود اس شرح سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر اگر اس میں سود در سود والی رقم شامل کریں تو تھوڑے سالوں میں یہ قرضہ دگنا چوگنا بن جاتا ہے کیونکہ کافی ممالک صحیح وقت پر قرض ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس طرح تیسری دنیا قرضوں کے بوجھ کے نیچے پس رہی ہے ان کا کام بس یہی رہ گیا ہے کہ

سود اور سالانہ قسطیں ادا کرتے رہیں۔ یہ تو ایسا سنگین مسئلہ ہے جس سے طاقتور ممالک بھی اپنی کمر سیدھی نہیں کر سکے پھر کمزور اور ترقی پذیر ممالک کا کیا ہو گا؟

مصر کے صدر محمد حسنی مبارک نے اپنے خطاب میں کھلے الفاظ میں کہا ہے کہ ہم نے چار ملین کی درخواست کی تھی جو دگنے چوگنے ہوتے گئے حتیٰ کہ اب اتنے اور اتنے ملین ہو گئے۔ اب ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ نئے قرضہ کے لیے درخواست دیں تا کہ پرانے قرضے کا کچھ حصہ ادا کر سکیں۔ ہم پر تو عربی شاعر کا یہ قول بالکل صادق آتا ہے

اذا ما قضیت الدین بالدین لم یکن قضاء ولکن کان غرما علی غرم

کہ اگر آپ نیا قرض لے کر پرانے قرض اتاریں گے تو یہ ادائیگی نہیں بلکہ قرض پر مزید قرض ہو گا۔ درحقیقت ہم تو نیا قرض لے کر پرانا قرض بھی نہیں اتار رہے بلکہ ہم تو ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں کہ قرض پر جو سود ہے وہی ادا کر دیں اور یہ کینسر کی بیماری کی طرح مسلسل بڑھ رہا ہے۔ رہا پرانا قرض تو وہ اپنی جگہ باقی ہے۔ قرض کے متعلق عربی مقولہ ہے: "هم بالليل و مذلته بالنهار" کہ قرض رات کے وقت غم وملال اور دن کے وقت ذلت کا سبب بنتا ہے۔ اسی لیے تو نبی ﷺ نے ہمیں جن مصائب سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے ان میں قرض بھی شامل ہے۔

"و اعوذ بک من غلبة الدين و قهر الرجال": اے اللہ میں تجھ سے قرض اور لوگوں کے غلبہ سے پناہ چاہتا ہوں۔ یہاں تو ہم پر دونوں مصیبتیں اکٹھی آ پڑی ہیں ایک قرض کا بوجھ، اور دوسری لوگوں کا قہر و غلبہ جیسا کہ ہم اپنی آنکھوں سے بین الاقوامی مالیاتی ادارے اور اس کے ساتھ قرض دینے والوں کا تسلط دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہمارے سالانہ بجٹ اور اس کے ذریعے سے ہمارے اقتصادی اور سیاسی معاملات میں مداخلت کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کی حدیث کی کیا ہی عجیب شان ہے کہ اس میں غلبۃ الدین اور قہر الرجال کو اکٹھے بیان کر کے لطیف اشارہ فرما دیا گیا ہے کہ جہاں قرض ہو گا وہاں لوگوں کا تسلط بھی ہو گا۔

ربٰو ہے کیا؟

بعض لوگوں نے ربٰو (سود) کو حلال کرنے کے لیے اس بات کا سہارا لیا ہے کہ "فقہاء نے ربٰو کے معنیٰ کی تحدید کے لیے اس حدیث کو پیش نظر رکھا ہے کہ "كل قرض جر نفعاً فهو ربا" کہ ہر وہ نفع جو قرض سے حاصل ہو وہ سود ہے۔ جبکہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کو

صاحب کشف الخفاء اور دوسروں نے ذکر کیا ہے"

بعض لوگ یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ اپنے مدمقابل کی طرف ایسا ضعیف قول منسوب کر دیتے ہیں جو اس نے نہیں کہا ہوتا۔ تاکہ اس قول کا رد و ابطال ان کے لیے آسان ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ فقہاء نے اس حدیث کو اپنے لیے سند نہیں بنایا۔ اگر بعض کتب میں یہ مذکور ہے تو یہ ایسی کتب ہیں جو منقولہ اقوال کی صحت کا خیال نہیں رکھتیں۔ فقہاء تو قرض پر ایسے نفع کو جائز قرار دیتے ہیں جس کا قرض دیتے وقت ذکر نہیں کیا گیا بلکہ مقروض نے ادائیگی قرض کے وقت حسنِ اخلاق کی خاطر کچھ زائد پیسے ادا کر دیئے اور فرمایا "خیر کم احسنکم اداءً " کہ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اچھے طریقے سے قرض ادا کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قول کہ "کل قرض جر نفعاً فھوربا" صحیح نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ ہر وہ قرض جس کو پیشگی نفع کے ساتھ مشروط کر دیا جائے وہ سود ہے۔

فقہاء کے لیے رِبٰو کے معنی کی تحدید کے لیے بنیادی ذریعہ قرآن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و ذروا مابقی من الربا ان کنتم مؤمنین" ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ (البقرہ: ۲۷۹)

پھر فرمایا "وان تبتم فلکم رءوس اموالکم لاتظلمون ولاتظلمون" ترجمہ: اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (البقرۃ: ۲۷۹) آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اصل مال سے جو زیادہ ہو وہ سود ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ تو وہ تمام نفع جو اصل مال سے زیادہ ہو اور اس کو پیشگی، وقت کی مہلت کے بدلے، مشروط کر دیا گیا ہو وہ سود ہے۔

اُس سود کی تعریف تشریح و تفصیل کی محتاج نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کو حرام قرار دیا ہو اور خلاف ورزی پر سخت وعید بھی سنائی ہو اور لوگ اس چیز کے بارے میں جانتے بھی نہ ہوں حالانکہ قول باری تعالیٰ ہے: "وأحل اللہ البیع و حرم الربا" ترجمہ: اور اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام (البقرہ: ۲۷۵) لفظ "الربا" میں حرف تعریف۔ الف لام۔ خواہ عہد کے لیے ہو یا جنس کے لیے یا استغراق کے لیے ہو رِبٰو کی تمام صورتوں کی حرمت پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔ اگر اس میں کوئی ابہام ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بیان فرما دیتا۔ کیونکہ ضرورت کے وقت کسی چیز کے بیان کا موخر

کرنا جائز نہیں ہے۔ ربٰو ایک معروف چیز ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب آپس میں اور دوسروں کے ساتھ سودی لین دین کرتے تھے اور یہود میں تو یہ بہت پہلے سے مروج تھا۔ قرآن ان کے جرائم میں سے یہ بات بھی بیان کرتا ہے۔ "واخذھم الربا و قدنھوا عنہ" سود لیتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ (النساء: ۱۶۱)

چنانچہ اگر ربٰو کے مفہوم میں کوئی ابہام ہوتا تو وہ لوگ ضرور اس کے بارے میں سوال کرتے۔ تاکہ ان کو صحیح علم ہو جاتا۔ کیونکہ ان لوگوں میں دین کے علم کے بارے میں بہت زیادہ حرص و تجسس پایا جاتا تھا بعض صحابہ کے بارے میں جو یہ بات آئی ہے کہ وہ سود کی بعض صورتوں کو نہیں جانتے تھے وہ "ربا الفضل" تھا نہ کہ "ربا النسیہ" (یعنی ربا البیوع تھا نہ کہ ربا الدیون) اور ہماری بات بھی ربا النسیہ اور ربا البیوع پر ہو رہی ہے آج کل بحث بھی اسی کی چل رہی ہے اور کمرشل بنکوں میں بھی سود کی یہی صورتیں مروج ہیں۔ اس تناظر میں یہاں ربا الفضل کے بارے میں بحث کرنا مسئلہ کو طول دینے اور اصل موضوع سے ہٹنے والی بات ہوگی۔

بنک اور کھاتے دار کا تعلق

یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ جو سرمایہ بنک کو نفع کی نیت سے دیا جاتا ہے وہ قرض نہیں ہے۔ بنک میں مال جمع کرانے والے کی نیت میں یہ نہیں ہوتا کہ وہ قرض دے رہا ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قرض دینے والا غریب ہو اور لینے والا دولت مند ہو؟ اس بات کو یہ کہہ کر مزید تقویت دی جاتی ہے کہ جو مال بنک میں جمع کرایا جاتا ہے اس کو امانت (ڈپازٹ) کا نام دیا گیا ہے قرض نہیں کہا گیا۔

لیکن ہمیں بنکوں کے رکھے ہوئے ناموں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ امانت والی اصطلاح بنک کی وضع کردہ ہے شرعی اور فقہی اصطلاح نہیں ہے۔

شریعت میں امانت کا اپنا ایک مفہوم ہے اور اس کے لیے علیحدہ احکام ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے وہ مال کے چوری یا ضائع ہونے کی کسی بھی صورت میں ضامن نہیں ہوتا۔ امانت رکھنے والا صرف اس صورت میں ذمہ دار ہو گا جب وہ خود اس میں خیانت اور زیادتی کرتا ہے یا اس کی حفاظت میں کوتاہی کرتا ہے۔

اس کے برعکس یہ بالکل معروف بات ہے کہ بنک مال کا ضامن ہوتا ہے اور بنک میں رکھے گئے مال کی حیثیت امانت کی نہیں بلکہ قرض کی ہوتی ہے، خواہ وہ جاری کھاتے کی صورت میں ہوں

یا بچت کھاتے کی صورت میں اور شرعی قاعدے کے مطابق بنک منافع کا مستحق اس ہی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ سرمائے کا ضامن ہو۔ جیسا کہ حدیث شریف میں شرعی قاعدہ بیان ہوا۔ "الخراج بالضمان" یعنی منافع کا حصول خسارے میں شرکت کے ساتھ مشروط ہے۔

تجارتی بنکوں کے وظائف میں سے صرف ایک صورت پر شرعی لحاظ سے امانت والی اصطلاح منطبق ہوتی ہے وہ ہے لاکر (Locker) جس پر بنک کو کرایہ بھی ادا کیا جاتا ہے اور امانت رکھنے والا اس میں زیور، جواہرات، کرنسی اور دستاویزات میں سے جو چیز رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔ بنک میں یہ بطور امانت محفوظ ہوتے ہیں۔ ضائع ہونے کی صورت میں بنک ذمہ دار نہیں ہوتا۔ یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ بنک میں سرمایہ رکھنے والے کی نیت قرض دینے کی نہیں ہوتی اور یہ کہ اس بنک کو کیسے قرض دیا جا سکتا ہے جو کئی ملین اور بسا اوقات کئی بلین کا مالک ہوتا ہے؟ لیکن اس سے بنک اور سرمایہ دار کا معاہدہ اور اس پر لاگو ہونے والے احکام تبدیل نہیں ہو جاتے۔ کیونکہ یہ کوئی قرض کے ارکان و شرائط میں نہیں ہے کہ قرض وہ شمار ہو گا جو دولت مند غریب کو دے جس کی دلیل یہ ہے کہ انسان بھی اللہ تعالیٰ جیسی غنی ذات کو قرض دیتا ہے اسی طرح یہ بھی کوئی شرط نہیں ہے کہ قرض وہ ہو گا جو قرض کے نام سے دیا جائے۔

ہمارے بعض بھائیوں نے جو قید لگائی ہے کہ قرض وہ ہو گا جو غریب آدمی کو دیا جائے۔ بلاشبہ اکثر صورتوں میں ایسا ہی ہوتا ہے لیکن فقہاء نے قرض کی جو صورتیں بیان کی ہیں سب میں ایسا نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی وہ بھی قرض بن جاتا ہے جس کو قرض دینے والے نے قرض کی نیت سے نہیں دیا ہوتا مثلاً جب کوئی آدمی امانت کو استعمال میں لاتا ہے تو یہ امانت اب قرض کے حکم میں ہو گی اس کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کو ادا کرنا پڑے گی۔ خواہ اس کو امانت دینے والے کی اجازت سے استعمال کیا ہے یا بلا اجازت۔

حضرت زبیرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے پاس صحابہ کرامؓ اور ان کی اولاد میں سے بہت سارے لوگ اپنا مال بطور امانت رکھتے تھے حضرت زبیرؓ ان کا مال اس وقت تک نہیں لیتے تھے جب تک وہ یہ نہ کہتے کہ مال آپ کے پاس بطور قرض ہے وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ اگر بطور امانت ان کے پاس یہ مال ضائع ہو گیا تو اس صورت میں یہ مالک کی ذمہ داری پر ہو گا جبکہ قرض کی صورت میں اگر مال ضائع ہو جاتا ہے تو پھر مالک کی نہیں بلکہ ان کی (حضرت زبیرؓ) کی ذمہ داری ہو گی۔

اور یہ بات پہلے سے معلوم ہے کہ بنک اور مال جمع کرانے والے کے درمیان جو تعلق ہے وہ

قرض دینے والے اور قرضدار والا تعلق ہے خواہ جاری کھاتہ ہو یا بچت کھاتہ اس بارے میں حسابات کی جو رپورٹ بنک سے اپنے معاملہ کنندگان کی طرف بھیجی جاتی ہے وہ روشن سورج کی طرح واضح ہے۔

موجودہ بنکاری نظام اور مضاربت

بعض بنکوں کے ذمہ داران نے سودی بنکاری کی صفائی میں یہ عجیب و غریب چیز بھی پیش کی ہے کہ موجودہ بنکاری نظام شرعی مضاربت کے مطابق ہے۔ کیونکہ بنک مضارب کی حیثیت سے کھاتہ داروں سے مال لیتا ہے اور پھر آگے صاحب مال کی حیثیت سے یہ سرمایہ دوسرے ایجنٹوں کو مضاربت پر دیتا ہے۔ مفتی اعظم مصر نے بنک ذمہ داران سے بنکاری کے نظام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اسی عجیب و غریب صورت میں جواب دیا جو کسی ذمہ دار آدمی سے متوقع نہیں تھا۔ بنکاری نظام کی یہ تصویر کشی حقیقت پر مبنی نہیں ہے جس کا اعتراف اقتصاد اور مالیات کے ماہرین نے بھی کیا ہے ان میں ڈاکٹر عبدالحمید الغزالی، ڈاکٹر احمد النجار اور پروفیسر احمد زندو سابق گورنر اسٹیٹ بنک شامل ہیں۔

- یہ نظام مضاربت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ مضاربت کا تقاضہ یہ ہے کہ مضارب کے ہاتھ میں جو مال ہے اس کی حیثیت امانت کے مال والی ہے ضائع ہونے کی صورت میں مضارب پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ صرف اس صورت میں مضارب پر ذمہ داری آتی ہے جب وہ اس مال میں خیانت یا زیادتی کرے یا یہ مال اس کی لاپرواہی سے ضائع ہوا ہو۔ اس کے علاوہ اگر مضارب پر ضمانت کی شرط عائد کی گئی تو عقد مضاربت ختم ہو جائے گا اور اس کی مشروعیت باقی نہیں رہے گی۔

اب جبکہ اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ بنک کے قبضہ میں جو مال ہوتا ہے وہ اس کا ضامن بھی ہوتا ہے۔ تو آخر بنک کی بیک وقت امین اور ضامن کی حیثیت کیسے ہو سکتی ہے؟ اسی طرح شرعی عقد مضاربت کی دوسری شرط یہ ہے کہ اس میں طرفین نفع و نقصان میں یکساں طور پر شریک ہوتے ہیں دونوں میں سے کسی ایک کو منافع کی متعین مقدار کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔
مقصود یہ ہے کہ ہر فریق کے لیے منافع کا حصہ عام رواج کے مطابق طے کیا جائے یعنی منافع سے اتنے فیصد صاحب المال اور اتنے فیصد مضارب لے گا۔ اس کی دلیل فقہاء نے نبی ﷺ کے عمل سے لی ہے کہ انہوں نے اہل خیبر کو مزارعت پر زمین دیتے وقت عام رواج کے مطابق حصہ مقرر فرما دیا تھا۔ فقہاء کہتے ہیں مضاربت بھی مزارعت کی طرح ہے اور اس کا حکم بھی مزارعت والا

ہے۔ مضاربت میں صاحب مال یا مضارب کے لیے نفع کی کچھ مقدار پہلے سے مقرر کر دی جائے تو اس سے عقد مضاربت فاسد ہو جائے گا اور اس عقد کو حلال سے حرام میں تبدیل کر دے گا اور اس اسلامی معاملے کو، جس میں سرمایہ، محنت یا خطرہ مول لینے کے ذریعہ بڑھایا جاتا ہے، اس سودی معاملے میں تبدیل کر دے گا جس میں صاحب مال کو بغیر محنت اور شرکت کے ایک مقرر مقدار سے نفع مل جاتا ہے جس کے غیر شرعی ہونے میں تمام مذاہب کے ائمہ متفق ہیں۔

الخرقی کی "کلام" کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ اپنی کتاب "المغنی" میں لکھتے ہیں: "کہ شرکاء میں سے کسی ایک کے لیے کچھ پیسے مقرر کر دینا جائز نہیں ہے" ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جب شرکاء میں سے کسی ایک کے لیے اس کے حصے کے پیسے مقرر کر دیئے جائیں یا اس کے حصے کے ساتھ کچھ مزید پیسے مقرر کر دیئے جائیں تو عقد شرکت باطل ہو جائے گا مثلاً اگر کوئی یہ شرط عائد کرتا ہے کہ اس کے حصے کے ساتھ دس روپے بھی ہوں گے تو یہ شرکت باطل ہو جائے گی۔

ابن منذر کہتے ہیں کہ تمام قابل ذکر اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ عقد مضاربت میں فریقین میں سے ایک نے یا دونوں نے اپنے لیے پیسوں کی مقدار مقرر کر دی تو یہ شرکت باطل ہو جائے گی۔ ان اہل علم میں امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی، امام ابو ثور، امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھی شامل ہیں۔ مثلاً کوئی آدمی یہ کہتا ہے کہ میں تمہیں آدھا منافع دوں گا مگر دس روپے نکال لوں گا یا آدھے منافع کے ساتھ دس روپے بھی دوں گا یا اتنے طے شدہ پیسے دوں گا ان سب صورتوں میں معاہدہ صحیح نہیں ہو گا اور اس کے دو اسباب ہیں۔

۱۔ اگر کوئی آدمی اپنے لیے پیسے مقرر کر لیتا ہے تو ممکن ہے کہ منافع صرف اتنا ہی ملے تو اس صورت میں سارا منافع ایک فریق لے جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ منافع کچھ بھی نہ ملے تو پھر راس المال (اصل سرمائے) سے پیسے ادا کرنے پڑیں گے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منافع بہت زیادہ ہو تو جس فریق نے اپنے لیے چند پیسے مقرر کیے تھے اس کو کم پیسے مقرر کرنے کی وجہ سے نقصان پہنچے گا۔

۲۔ مناسب یہی ہے کہ کام کرنے والے کا حصہ معلوم ہو یعنی منافع کا اتنے فیصد عامل کو ملے گا۔ کیونکہ اندازے سے منافع کی مقدار مقرر کرنا مشکل ہے۔ چنانچہ اگر شرح منافع کے لحاظ سے اس کا حصہ معلوم نہیں ہو گا تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ معاہدہ بھی فاسد ہو جائے گا جس میں مقدار کا معلوم ہونا شرط ہو لیکن اس میں مقدار غیر معلوم ہو۔ اگر عامل کے لیے حصہ مقرر کر دیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ کام کرنے میں سستی سے کام لے۔

کیونکہ اس کو زیادہ محنت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا۔ بخلاف اس کے اگر اس کے لیے منافع میں حصہ ہو تو وہ زیادہ محنت کرے گا (المغنی لا بن قدامتہ ج۵۔ ص ۳۷۔ پبلشر المنار الثالث)

آج کل کے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ اجماع محض فقہی اجتہاد ہے اس پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ ان کی اس بات کا میں نے آج سے تیس سال قبل اپنی کتاب "الحلال و الحرام" میں رد پیش کیا تھا۔

ان علماء کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اجماع بلا سند نہیں ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ علماء امت کسی گمراہی پر اکٹھے ہو جائیں۔ یعنی ایسی رائے پر جس پر قرآن و سنت سے کوئی سند نہ ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے صحیح کہا ہے کہ ہر وہ اجماع جو علماء سلف سے ثابت ہے وہ ضرور نصوص شرعیہ کی بنیاد پر ہو گا۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ بعض لوگوں کی عقل ان نصوص کا احاطہ کرنے سے قاصر ہو اور وہ ان سے مخفی ہوں۔ ابن منذر نے واضح طور پر اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ مضاربت میں طرفین میں سے کسی کے لیے پیسے مقرر کر دینے سے روکا گیا ہے اور اسی بات کو ابن قدامتہ نے "المغنی" میں نقل کیا ہے۔ یہ فقہاء کی مجرد رائے نہیں ہے یہ بیع مزارعت کے عین مشابہ ہے اور مزارعت کے بارے میں نص آئی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار" کے باب فساد العقد میں ذکر کیا: کہ اگر مزارعت میں فریقین میں سے کوئی آدمی اپنے لیے بھوسہ یا زمین کا ایک حصہ خاص کر لیتا ہے یا اسی طرح کی کوئی اور شرط لگاتا ہے تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا۔ انہوں نے اس پر بطور دلیل کافی احادیث نقل کی ہیں جن میں کچھ مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ انصار میں سب سے زیادہ کھیتی باڑی کا کام ہم کرتے تھے اور اس شرط پر کرایہ پر زمین لیتے تھے کہ زمین کے اس حصے کی پیداوار ہماری ہو گی اور اس حصے کی پیداوار مالک کے لیے ہو گی۔ تو ہوتا یہ تھا کہ کبھی زمین کے ایک حصے پر فصل اگتی اور دوسرے حصے پر نہ اگتی ہمیں اس سے روک دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

ایک اور روایت ہے: ہم زیادہ زراعت پیشہ لوگ تھے اور زمین کرائے پر لیتے تھے۔ زمین کا ایک حصہ مالک زمین کے لیے مختص کر دیتے تو بسا اوقات اس پر فصل نہ اگتی اور باقی زمین پر صحیح فصل ہوتی اور کبھی باقی زمین پر فصل نہ ہوتی اور مالک والے حصے پر ہوتی۔ اس فعل سے ہمیں روک دیا گیا۔ (بخاری)

ایک اور روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں لوگ نہروں اور نالیوں کے ساتھ ساتھ اگنے والی گھاس اور اسی طرح کی دوسری کھیتیاں ٹھیکے پر لیتے تھے تو اس میں فصل کبھی کہیں سے اور کبھی کہیں سے ختم ہو جاتی اور دوسری جگہ باقی رہتی۔ جبکہ لوگوں کے لیے اور بھی کچھ نہ ہوتا۔ لہذا اس سے سختی سے منع کر دیا۔ (مسلم و ابوداؤد و نسائی)

اور بعض روایات میں ہے کہ مالک زمین اپنے لیے زمین کا کچھ حصہ یا بھوسہ یا پھلوں کی ایک مقررہ مقدار مختص کر لیتا تھا۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا (دیکھیے: **منتقی الاخبار مع شرحہ نیل الاقطار**۔ ج ۵۔ ص ۲۷۵۔ **المطبعة العثمانية. مصر**۔ ۱۳۰۷ھ)

ان روایات کے علاوہ بھی جو احادیث اس مفہوم میں آئی ہیں یہ دلالت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اس بات سے سختی سے روکا ہے کہ فریقین میں سے کوئی زمین کا ایک حصہ اپنے لیے مختص کر لے تاکہ اس کی پیداوار وہ حاصل کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ صرف یہی کھیتی صحیح و سالم رہے یا صرف اسی کھیتی پر آفت آ جائے تو اس صورت میں طرفین میں سے ایک کے لیے باضمانت آمدنی یا نقصان ہو گا جبکہ دوسرا اس چیز میں شریک نہیں ہو گا۔ یہ انصاف نہیں ہے جو اسلام کا مطمع نظر ہے۔ اسلام کے نزدیک عدل وہ ہے جو نبی ﷺ نے احادیث سابقہ میں بیان فرمایا ہے کہ زراعت کی دونوں احتمالی صورتوں، نفع و نقصان میں دونوں فریق شریک ہوں۔

مزارعت کے بارے میں جب یہ حکم آیا ہے تو مضاربت بھی تو مزارعت کے ہمشکل ہے۔ مضاربت تجارت کی زراعت ہے اور مزارعت زراعت کی مضاربت ہے۔ مزارعت میں زمیندار اور کاشتکار کے درمیان اشتراک ہوتا ہے اور مضاربت میں صاحب مال اور تاجر کے درمیان اشتراک ہوتا ہے۔ تاجر کے عمل کو تجارت کہتے ہیں۔

آج کے علماء میں سے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مضاربت میں کسی فریق کے لیے پیسے مقرر کرنے سے منع کرنے کی کوئی سند شریعت میں نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے تمام احادیث نبویہ اور سنت منقولہ کا احاطہ نہیں کیا۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے جس کی ہم ہمیشہ شکایت کرتے رہے ہیں کہ اہل فقہ معرفت حدیث میں دسترس حاصل نہیں کرتے اور محدثین معرفت فقہ میں مہارت حاصل نہیں کرتے۔ جبکہ حقیقت میں ان میں سے ہر ایک کو دوسرے علم کی اشد ضرورت ہے۔ درایت کا روایت کے بغیر کوئی اعتبار نہیں اور روایت کا درایت کے بغیر کوئی فائدہ نہیں ہے۔

کاغذی نوٹ اور سونا

سود کی اباحت کے لیے جو باتیں پیش کی جاتی ہیں ان میں ایک یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اسلام نے جس نقدی کے لین دین میں سود کو حرام قرار دیا ہے وہ سونا اور چاندی کی شکل میں ہوتی تھی وہ یہ نوٹ نہیں تھے جن کو ہم آج کل استعمال کرتے ہیں اور جن کے ذریعے معاملات طے کرتے ہیں۔ چنانچہ سود کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ اس خاص کرنسی سونا اور چاندی کے بارے میں ہیں۔ چونکہ یہ دونوں نفیس قسم کی دھاتیں ہیں اس لیے ان کی اپنی ذاتی قیمت ہے۔ ان کو نقدی کے طور پر استعمال نہ بھی کیا جائے تب بھی ان کو ان کی ذاتی منفعت کی بنیاد پر خریدا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے سونا اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات مثلاً تانبا، سلور وغیرہ سے بنائی جانے والی کرنسی کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ بھی سونا اور چاندی کی طرح نقدی بنیں گے یا نہیں۔

سود کے حامیوں نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ افراط زر کی وجہ سے چونکہ کاغذی نوٹوں کی قوت خرید کم ہوجاتی ہے اس لیے درحقیقت اس کی قیمت (Value) کم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ صاحب مال بنک سے جو سود لیتا ہے یہ اس خسارے کا بدلہ ہے جو افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قوت خرید میں کمی کے سبب اس کو پہنچا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو واقعاتی طور پر یہ سود اس خسارے سے کم ہوتا ہے جو اس کو افراط زر کی وجہ سے پہنچا ہے۔ مثلاً اگر دس فیصد سود ملا اور افراط زر پندرہ فیصد ہوا تو حقیقتاً صاحب مال کو پانچ فیصد گھاٹا ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کی باتیں بعض تو بالکل باطل ہیں اور بعض صحیح تو ہیں لیکن ان کو غلط مفہوم دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ صرف سونا اور چاندی کو نقدی کہنا اور وہ کاغذی نوٹ جن کے لیے ہم آج کل نقدی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، اس کو لغو قرار دینا ایک باطل بات ہے کیونکہ ہم ان نوٹوں کے ذریعے لین دین کرتے ہیں۔ انہی سے قیمت ادا کرتے ہیں اور انہی کو جمع کر کے رکھتے ہیں۔ یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ہم کسی چیز کو نقدی کہہ سکتے ہیں۔ چاہے وہ کسی دھات کی ہو یا دوسری چیز کی۔

اصل میں ان کی بات کا مقصد یہ ہے کہ زکوٰۃ کو جو کہ اسلام کا تیسرا رکن ہے، ختم کر دیا جائے اور سود، جس کو حرام قرار دیا گیا ہے اور سات برباد کرنے والی چیزوں میں سے شمار کیا گیا ہے، کو جائز قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ اس نقدی میں واجب ہے جو سونا اور چاندی کی

صورت میں ہو اور سود بھی سونا اور چاندی کے لین دین میں حرام ہے۔

قابل افسوس بات یہ ہے کہ یہ بات یا تو بعض پیشہ ور لوگ پیش کر رہے ہیں اور یا وہ مقلدین جنہوں نے سابق مذاہب کے علماء کی اس بات کا سہارا لیا ہے جو انہوں نے فلوس (تانبے کے بنے ہوئے سکے) کے بارے میں کہی تھی اور انہوں نے نقدی کو فلوس پر قیاس کر لیا ہے۔ حالانکہ فلوس بنیادی طور پر نقدی نہ تھی بلکہ اس کی مثال اس طرح ہے جس طرح ہمارے پانچ، دس والے پیسے ہیں جن کو چھوٹے موٹے سودوں میں استعمال کیا جاتا ہے اس لیے تو فقیر و تنگ دست کو مفلس کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے پاس فلوس کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

بعض لوگوں نے کرنسی نوٹ کو ملکی خزانے کی طرف سے قرض کی دستاویز شمار کیا ہے جیسا کہ مصری جنیہات (مصری سکے کا نام) پر لکھا ہوتا ہے لیکن ان کی یہ ساری باتیں غلط ہیں میں نے اپنی کتاب "فقہ الزکاۃ" میں ان کی سب باتوں کا رد پیش کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ایسی باتوں سے کیا فساد اور نقصان ہو گا۔ ان ہی نوٹوں سے ہم خرید و فروخت میں قیمت ادا کرتے ہیں، مزدور کو اجرت دیتے ہیں، نکاح میں مہر ادا کرتے ہیں، قتل خطاء میں دیت ادا کرتے ہیں اور ان پر تمام شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں اور جس کے پاس جتنے نوٹ ہوتے ہیں اس کو ہم اتنا دولت مند تصور کرتے ہیں اور آدمی ان نوٹوں کو چوری کر لے تو دنیا کے تمام قوانین میں اس پر چوری کی سزا لازم آتی ہے۔ پھر آخر انہیں نقدی کیوں نہ قرار دیا جائے۔

اور دوسری بات، جو صحیح تو ہے لیکن وہ اس کو غلط مقصد کی طرف لے گئے ہیں، وہ افراط زر اور اس سے قوت خرید یا کرنسی کی قیمت میں کمی کے بارے میں ہے۔ یہ تو ایک حقیقت ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لیکن اس کے حکم اور قرض پر اس کا جو اثر واقع ہوتا ہے اس بارے میں دور حاضر کے اہل فقہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس موضوع پر "مجمع الفقہ الاسلامی" کے اجلاس میں بحث ہوئی تھی جو "موتمر الاسلامی" کے زیر اہتمام کویت میں اکتوبر ۱۹۸۸ء میں ہوا تھا اس وقت حاضرین دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک فریق کا خیال تھا کہ افراط زر کی وجہ سے جو کمی واقع ہوتی ہے اس وقت تک اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا جب تک یہ نوٹ استعمال ہو رہے ہیں یعنی ان سے خرید و فروخت ہو رہی ہے اور ان کو تبدیل نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ ریال کے بدلے ریال، روپے کے بدلے روپیہ اور لیرہ کے بدلے لیرہ دیا جائے گا خواہ ان کی قیمت جتنی بھی گر جائے۔ یعنی یہ لوگ تمام صورتوں میں اس پر نقد اصلی یعنی سونے اور چاندی والا حکم لگاتے ہیں۔

جبکہ دوسرا فریق اس نقدی کو اصل میں تو سونے اور چاندی والا حکم دیتا ہے لیکن تفصیل میں

نہیں، یعنی اکثر صورتوں میں تو سونے اور چاندی والا حکم دیتا ہے لیکن تمام صورتوں میں نہیں۔

قدیم فقہاء نے سکے کے بارے میں بحث کے دوران اس پر نقود اصلی والا حکم لگایا ہے جب تک یہ عرف عام میں رائج رہے۔ لیکن جب یہ رائج نہ رہے تو پھر ان کے ساتھ سامان تجارت والا معاملہ کرتے ہیں۔ جس طرح تجارت کا دوسرا سامان خریدا اور بیچا جاتا ہے اس کی بھی بازار کے نرخ کے مطابق خرید و فروخت ہوگی اور اس کی اپنی قیمت نہیں رہے گی۔ تو بعض علماء کے نزدیک کاغذی کرنسی کا معاملہ اسی طرح ہو سکتا ہے۔ یعنی جب مروجہ نوٹوں کی قیمت میں اتنی شدید کمی واقع ہو جائے کہ ان کو سامان کی طرح بیچا جائے تو پرانے قرضوں کی ادائیگی اس وقت کی قیمت کے مطابق ہوگی جب یہ قرض لیا گیا تھا جیسا کہ آجکل ترکی اور لبنانی لیرہ کی حالت ہو گئی ہے۔ لیکن مصر میں معاملہ اس حد تک نہیں پہنچا کہ افراطِ زر کے سبب نوٹوں کی قیمت میں کمی کی وجہ سے سود کو حلال قرار دینے کی کوشش کریں جو کہ حرام قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ اس وجہ سے حکومت سے ملازمین کی تنخواہ بڑھانے کا مطالبہ کیا جاتا اور اسی طرح مکانات اور زرعی و غیر زرعی زمین کا کرایہ بڑھایا جاتا۔ خاص طور پر ان مکانات اور بڑے فلیٹوں کا کرایہ بڑھایا جاتا جو کافی عرصہ پہلے کرائے پر دیے گئے تھے اور حکومت سے قانون کی تبدیلی کا مطالبہ کیا جاتا جس کے تحت مقروض افراطِ زر کے تناسب سے قرض واپس کرتا نہ کہ اس شرح سود پر جو سودے کے وقت انہوں نے طے کیا تھا۔ لیکن ان تمام چیزوں میں تو افراطِ زر کا لحاظ رکھے بغیر معاملات طے کیے جاتے ہیں اور صرف بنک کے ساتھ معاملہ کرتے وقت افراطِ زر یاد آجاتا ہے۔ اس لیے یہ شک و شبہ میں ڈالنے والی بات ہے۔ پھر بنک سے افراطِ زر کی وجہ سے اس فرق کا مطالبہ کیوں نہ کیا جائے جو مقرر کردہ شرح سود سے بھی زیادہ ہوتا ہے؟ اور یہ چیز صرف قرض دینے والوں کے لیے کیوں ہے ان کے لیے کیوں نہیں ہوتی جو قرض لیتے ہیں۔

پھر اگر افراطِ زر کی دلیل کو درست تسلیم کیا جائے تو آخر بنک ان لوگوں کے ساتھ سود والا معاملہ کیوں کرتے ہیں جو ایسی کرنسی کے ساتھ لین دین کرتے ہیں جس کی قیمت نہیں گرتی۔ چنانچہ جب ایک آدمی بنک کو امریکی ڈالر دیتا ہے تو بنکوں کے اعلان کے مطابق اس کو مقررہ سود دیا جاتا ہے خواہ ڈالر کی قیمت برقرار رہے یا بڑھ جائے۔

یہ ایک اصولی مسئلہ ہے اور بنک کا اصول سود دینا ہے یعنی مال پر پہلے سے طے شدہ منافع۔ جتنی رقم ہو، جو بھی کرنسی ہو اور جیسے بھی حالات ہوں انہیں تو سود ادا کرنا ہوتا ہے۔

دگنا چوگنا سود

ایک اور بات جو سود کے حق میں کہی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن نے اس سود کو حرام قرار دیا ہے جو اضعافاً مضاعفتہ (دو گنا چوگنا) ہو لیکن یہ آٹھ یا دس فیصد سود اس ممنوع سود کی حد میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ شبہ اس صدی کے اوائل میں اٹھایا گیا ہے اور اس پر دلیل سورۃ آل عمران کی اس آیت مبارکہ سے دی جاتی ہے "یا ایھا الذین آمنوا لاتأ کلوا الربا اضعافاً مضاعفتہ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون" ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ بڑھتا چڑھتا (دو گنا چوگنا) سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ (آل عمران: ۱۳۰)

جو آدمی عربی لغت کا ذوق رکھتا ہے اور عربی اسلوب کو جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ ربٰو کی یہ صفت (اَضعافاً مضاعفتہ) حقیقت کے بیان اور اس بری حالت کی تصویر کشی کے لیے بیان کی گئی ہے۔ جو روز افزوں سود اور پھر سود در سود کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس طرح کی صفت کسی چیز کی ممانعت کے لیے شرط نہیں بنتی کہ سود اس وقت تک جائز ہو جب تک وہ دگنا چوگنا نہ ہو۔

اس کی مثال اس طرح ہے جیسے آج ہم کہتے ہیں نشہ آور مہلک چیزوں کا مقابلہ کرو جو انسان کو پہلے ہی گھونٹ میں ہلاک و برباد کر دیتی ہیں۔ یہ ان منشیات کی صفت بیان کی گئی ہے جو آج کل ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں اور جن کا نقصان وہ ہونا کسی سے مخفی نہیں ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان نشہ آور چیزوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے جن کا نقصان اس حد کو نہیں پہنچا۔ دراصل اس طرز بیان سے ایک بری چیز کی حقیقی تصویر کشی مقصود ہوتی ہے تاکہ لوگ اس لعنت کو معاشرے سے ختم کرنے کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔ اور اسلام کا اسلوب و طریقہ ہے کہ اس میں وہ چیز تھوڑی مقدار میں بھی ممنوع ہے جس کے بارے میں اندیشہ ہو کہ اس کا بڑی مقدار میں استعمال شروع نہ ہو جائے۔ اسلام نے اس دروازے کو ہی بند کر دیا ہے جس سے فساد پھوٹنے کا خطرہ ہو۔ پھر ہمارے پاس کونسا معیار ہے جس سے اندازہ کر سکیں کہ یہ قلیل ہے اور وہ کثیر اور کون سی ایسی چیز ہے جو دس فیصد کو قلیل اور بارہ فیصد کو کثیر بناتی ہو۔ اور اگر ہم مذکورہ آیت کے ظاہری مفہوم کو لیں تو اضعافاً مضاعفتہ وہ سود ہو گا جو چھ گنا ہو یعنی ایک سو روپے پر چھ سو روپے سود ہو۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز نے کہا ہے۔ کیونکہ کلمۃ اضعاف جمع ہے اور جمع کا کم سے کم عدد تین ہے اور تین کو اگر ہم صرف ایک مرتبہ ہی دگنا کریں تو چھ بن جائیں گے تو کیا کہیں چھ گنا سود بھی لیا جاتا ہے؟

لہٰذا حتمی فیصلہ سورۂ بقرۃ کی وہ آیات کرتی ہیں جو نبی ﷺ پر آخری دور میں نازل ہونے والی آیات میں سے ہیں۔ ان آیات میں ایسی ساری حیلہ بازیوں کو باطل قرار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و ذروا مابقی من الربا ان کنتم مؤمنین ۔ فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ و رسولہ و ان تبتم فلکم رءُوس اموالکم لاتظلمون و لا تظلمون"۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹)

بنکوں کا سود اور زمانہ جاہلیت کا سود

سودی بنکاری کے جواز میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ یہ وہ سود نہیں ہے جو زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) میں مروج تھا اور جس کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے اور جس پر "حرب من اللہ و رسولہ" کی وعید سنائی گئی ہے۔ جیسا کہ سلف نے نقل کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کا سود اس طرح تھا کہ ایک آدمی کچھ مدت کے لیے کسی کو قرض دیتا جب ادائیگی کا وقت آتا تو قرض دینے والا کہتا کہ یا تو قرض ادا کرو اور یا پھر اس پر سود ادا کرو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ بالا صورت بھی زمانہ جاہلیت میں مروج تھی لیکن یہ کہنا کہ اُس زمانے میں سود کی صرف یہی ایک صورت تھی صحیح نہیں ہے۔ مختلف واقعات اور بہت سے دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ سود قرض دیتے وقت بھی طے کر لیا جاتا تھا جیسے تجارتی قافلوں والے کرتے تھے۔

امام جصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن میں ذکر کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سود کی یہ صورت معروف تھی کہ لوگ دینار و درھم بطور قرض دیتے تھے اور باہمی رضامندی سے پیشگی کچھ زیادہ دینار و درھم طے کر لیتے تھے۔ امام طبری اور رازی نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ پھر اگر یہ بات درست بھی تسلیم کر لی جائے کہ زمانہ جاہلیت میں سود کی صرف یہی صورت مروج تھی یعنی سود اس وقت لاگو ہوتا تھا جب قرض اتارنے کا وقت آتا تو اگر سود کی یہ صورت حرام تھی تو دوسری صورت بطریق اَولیٰ حرام ہونی چاہیے۔

زمانہ جاہلیت کے سود کے بارے میں جو روایت ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں لوگ قرض دیتے وقت تو سود مقرر نہیں کرتے تھے لیکن جب ادائیگی قرض کا وقت آتا اور قرض ادا نہ کیا جاتا تو پھر اس پر سود لیا جاتا تھا۔ تو قرض پر پیشگی مقرر نفع کی حرمت تو اور بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ بنک میں تو یہی کچھ ہوتا ہے کہ پہلے سے سود مقرر کر لیا جاتا ہے جبکہ دوسری صورت بھی بنکوں میں موجود ہے کہ جب قرض کی واپسی کا وقت آتا ہے اور قرض واپس نہیں کیا جا سکتا تو کہا جاتا ہے کہ یا تو قرض واپس کرو ورنہ ایک دن بھی تاخیر کی تو سود لاگو ہو جائے گا اور جتنے دن تاخیر سے قرض واپس کیا اس حساب سے سود ادا کرنا پڑے گا۔

سود اور زمین کا ٹھیکہ

بعض لوگ کہتے ہیں جو آدمی اپنا مال بنک میں جمع کراتا ہے اور اس پر پہلے سے مقررہ منافع (سود) لیتا ہے تو یہ اس طرح ہے جیسے کوئی آدمی اپنی زمین ٹھیکے پر دیتا ہے اور اس پر پیشگی طے شدہ پیسے لیتا ہے۔ کیونکہ جب مالک اپنی زمین دوسرے آدمی کو ٹھیکے پر دیتا ہے تو وہ تمام ذمہ داریوں سے بری ہو جاتا ہے چاہے اس پر کوئی کھیتی ہو یا نہ ہو مالک زمین کو ٹھیکے کے پیسے لینے ہوتے ہیں۔
یہ ایک واضح مغالطہ ہے اگر ہم فقہی زبان میں بات کریں گے تو کہیں گے کہ انہوں نے نقود (پیسوں) کو زمین پر اور منافع (سود) کو اجرت زمین پر قیاس کیا ہے۔ لیکن یہ قیاس بنیادی طور پر ناقص ہے۔ قیاس کے لیے شرط یہ ہے کہ ان کے مابین علت مشترک ہو۔ زمین ٹھیکہ پر دینے میں علت کھیتی سے بنفسہ فائدہ حاصل ہونا ہے۔ جبکہ نقود (پیسوں) سے بنفسہ کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ لوگوں کو یہاں اصل پیسوں سے غرض نہیں ہوتی۔ یہی بات امام غزالی نے کہی ہے کہ اس طرح نقود اور زرعی زمین میں فرق ہو جائے گا اسی لیے قیاس کرنا درست نہ ہو گا۔
قدیم زمانہ سے فلاسفہ نے سود کا انکار کیا ہے اور اس کو ظلم قرار دیا ہے کیونکہ یہ نقود کو کرایہ پر دینے کے مانند ہے۔ جبکہ ان کو کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا۔ نیز زمین کو بھی پیسوں کے عوض ٹھیکے پر دینے کے مسئلے پر فقہی اجماع نہیں ہے۔ کچھ فقہاء ایسے بھی ہیں جنھوں نے زمین کو سونے چاندی کے بدلے ٹھیکے پر دینے سے منع کیا ہے۔ اس کی تائید ابو محمد بن حزم نے "المحلی" میں کی ہے۔ ان کی رائے ہے کہ زمین ٹھیکے پر دینا حرام ہے جبکہ مزارعت پر دینا جائز ہے اور اس بات کو میں بھی ذاتی طور پر قابل ترجیح سمجھتا ہوں۔
کچھ فقہاء نقدی لے کر زمین کو ٹھیکے پر دینے کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری

قرار دیتے ہیں کہ اگر کسی آفت کی وجہ سے مستاجر کو نقصان پہنچے تو اتنی مقدار میں ٹھیکے کے پیسے کم دئیے جائیں۔ اور اسی بات کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں راجح قرار دیا ہے۔

سود اور حکومتی مداخلت

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر حکومت صاحب مال کے لیے نفع کی ضمانت دے دے تو پھر یہ وہ سود نہیں رہے گا جس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ سود سود ہی رہے گا حکومت کا جو تعلق ہے وہ اس لیے ہے کہ لوگوں کو سودی لین دین کی ترغیب دلائی جائے۔ بہتر تو یہ تھا کہ حکومت لوگوں کو مشارکت پر لین دین کرنے کی ترغیب دلاتی اور نتائج کی ذمہ داری قبول کرتی۔

سود جس کو یہودیوں نے دنیا میں پھیلا دیا ہے۔ اس کی روح یہ ہے کہ صرف سرمایہ سرمائے کو پیدا کرتا ہے۔ بغیر اس کے کہ صاحب مال محنت کرے۔ یا مشارکت کرے اور عامل کے ساتھ نقصان کے احتمال میں شریک ہو اور اس طرح نفع اور نقصان دونوں میں تقسیم ہو۔ جبکہ سودی لین دین میں یہ ہوتا ہے کہ سرمایہ دار مثلاً ایک ہزار روپیہ دیتا ہے تاکہ وہ ایک ہزار ایک سو روپے یا کم وبیش (جس پر دونوں کا اتفاق ہوا ہے) واپس وصول کرے۔ سرمایہ دار کو اس چیز سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ دوسرے فریق کو نفع ہوا ہے یا نقصان۔ یعنی اس کا سرمایہ کسی محنت اور خسارے کے خطرے کے بغیر سال بسال بڑھتا رہے۔

اسلام نے اس چیز کو منع کیا ہے کیونکہ یہ انصاف اور قانون زندگی وفطرت کے خلاف ہے۔ انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مال اور عمل دونوں مکمل طور پر ذمہ دار اور شریک ہوں۔ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر کسی طرح کا امتیاز حاصل نہ ہو۔ سرمایہ دارانہ نظام مال کو عمل پر فوقیت دیتا ہے کہ مال ہمیشہ نفع حاصل کرتا رہے اور بڑھتا رہے، عامل (کام کرنے والا) کو چاہے نقصان ہو یا نفع۔

دوسری طرف سوشلزم مال کو کوئی حق نہیں دیتا۔ اگرچہ وہ ہاتھ کی محنت، عرق ریزی اور سالوں کی جانفشانی کے بعد حاصل کیا گیا مال ہو۔ اسلام نے درمیانی راستہ اختیار کیا ہے اور ضروری قرار دیا ہے کہ مال اور عمل دونوں نفع اور نقصان میں شریک ہوں۔ نفع تھوڑا ہو یا زیادہ دونوں اس کو تقسیم کریں گے۔ اور اگر نقصان آئے تو اس میں بھی دونوں شریک ہوں گے۔ صاحب مال کا خسارہ مال کے اور صاحب عمل کا خسارہ محنت ومشقت کے ضیاع کی صورت میں ہو گا۔

درحقیقت اسلام کے علاوہ دوسرے تمام نظام، قوانین زندگی اور فطرت کے خلاف ہیں کیونکہ زندگی کی جتنی بھی نعمتیں مال سے بڑھ کر ہیں ان کی تو کوئی ضمانت دنیا میں موجود نہیں ہے ذرا غور کیجیئے کہ ہم میں سے کون اپنی صحت، خوش بختی یا اپنی زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے؟ تندرست آدمی کبھی بیمار ہو جاتا ہے، خوش بخت کبھی بد نصیب بن جاتا ہے اور انسان کبھی اپنے عین شباب میں موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔

نوجوان شادی کرتا ہے تو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ شادی موافق رہے گی یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کو اولاد عطا کرے گا یا نہیں؟ لڑکے ہوں گے یا لڑکیاں؟ کیا وہ سارے زندہ رہیں گے یا نہیں؟ وہ والدین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گے یا پریشانی کا سبب بنیں گے؟ اسی طرح زندگی کی تمام نعمتیں کم ہو سکتی ہیں بلکہ ان سے محروم بھی ہو سکتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ تو پھر یہ کیوں فرض کر لیا گیا ہے کہ مال ہمیشہ اپنی حالت پر باقی رہے اور اس میں کبھی کمی اور زوال نہ آئے۔

والد اور اولاد کے درمیان سود

ایک اور عجیب و غریب بات جو سود کے جواز کے لیے پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ حکومت اور عوام کے مابین سود نہیں ہے اور اس کی بنیاد اس قیاس پر ہے کہ والد اور اسکی اولاد کے مابین بھی سود نہیں ہوتا۔

قیاس کے بارے میں مشہور و معروف بات ہے کہ قیاس اس چیز پر کیا جا سکتا ہے جو کتاب و سنت کی نص یا اجماع امت سے ثابت ہو۔ تو اس بارے میں قرآن یا حدیث میں کہاں نص آئی ہے؟ یا کہاں اس پر اجماع ہوا ہے؟ بعض مذاہب میں جو بیان کیا گیا ہے وہ بلا دلیل ہے بعض لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ حدیث ہے جبکہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ اس بارے میں نہ صحیح حدیث ملتی ہے نہ ضعیف اور نہ مرفوع اور نہ موقوف۔

پھر اگر اسے درست مان بھی لیا جائے تب بھی یہ سوچنا چاہیے کہ "لا ربا بین الوالد و ولدہ" کہ والد اور اس کی اولاد کے مابین سود نہیں ہوتا کا مفہوم و مطلب کیا ہے۔ یہاں نفی کا کیا مطلب ہے؟ کیا واقعاتی طور پر نفی کی جا رہی ہے؟ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ والد نے اپنی اولاد کے ساتھ سودی لین دین کیا ہو یا پھر اس کی حرمت کی نفی جا رہی ہے؟ وہ تو ہر حالت میں حرام ہے خواہ قریبی رشتہ دار کے مابین ہو یا دور کے رشتہ دار کے درمیان ہو۔

کیا "لا ربا" کا مطلب ہے کہ یہ حرام چیز والد اور اولاد کے درمیان نہایت قریبی تعلق کی وجہ

سے حلال ہو گئی ہے؟ حالانکہ قریبی تعلق کی وجہ سے تو یہ بطریق اولیٰ حرام ہونی چاہیے کیونکہ یہ ظلم و نافرمانی ہے اور صلح رحمی کے بھی خلاف ہے۔

بالفرض اگر ہم تسلیم کر لیں کہ والد اور اولاد کے مابین سود نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان کے درمیان سودی لین دین جائز و مشروع ہے تو مالی معاملات میں حکومت کو والد پر اور عوام کو اولاد پر قیاس کرنے کی صحت پر کونسی دلیل ہے؟

مالی معاملات میں اولاد اور والد کے درمیان تعلق کے بارے میں تو ایک صحیح حدیث آئی ہے نبی ﷺ نے فرمایا "انت و مالک لأبیک" کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملکیت ہے۔ کہیں حدیث شریف میں یہ نہیں آیا کہ تو اور تیرا مال حکومت کی ملکیت ہے۔ ہاں یہ بات مارکس اور سوشلسٹوں نے ضرور کہی ہے جنہوں نے حکومت کو ہر چیز کا مالک بنا دیا ہے اور قوم کو غلام، جس کی ملکیت میں کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ تو اس کے مالک (حکومت) کا ہے۔

دنیا میں سود کہیں بھی نہیں؟

جو لوگ سودی بنکاری کو حلال ثابت کرنا چاہتے ہیں ان کی بات کا مطلب مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں یہی ہو سکتا ہے کہ پوری دنیا میں کہیں سود نہیں ہے چنانچہ امریکی یا یورپی بنک منافع کے نام پر جو کچھ دیتے یا لیتے ہیں وہ سود نہیں ہے اور اس چیز کا سب اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارے بنک بھی یورپی بنکوں کا پر تو ہیں۔ پھر تو وہ سارا سودی نظام حلال و پاک ہو جائے گا جو یہود نے بین الاقوامی تجارتی منڈی میں پھیلا دیا ہے تاکہ آخر کار دولت ان کے پاس پہنچتی رہے اور وہ دنیا کی دولت پر حاکم و قابض رہیں اور سرمائے کے فوائد صرف ان تک پہنچتے رہیں۔ تو کیا یہ سب کچھ حلال و پاک ہو گیا ہے کیونکہ اس میں وہ سود جو حرام ہے نام کی کوئی شئے باقی نہیں رہی۔

میں کوئی فتویٰ نہیں دیتا لیکن ان کی آراء کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ عربوں اور مسلمانوں کو اپنا سرمایہ غیر ملکی بنکوں میں جمع کرانے کے لیے تیار کیا جائے اور مسلم قوم ان جدید مجتہدین کی مہربانی سے اپنے مال و دولت سے محروم ہو جائے اور اس سے مغربی بنک فوائد حاصل کرتے رہیں۔

سود کے بارے میں اجماع امت

آخری بات جس پر میں اس نازک معاملے پر اپنا کلام ختم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بنکوں

کے سود کی حرمت پر علمی و تحقیقی اداروں، تنظیموں اور فقہی و اقتصادی کانفرنسوں میں لوگوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ یہ اجماع ۱۹۶۵ء سے آج تک قائم ہے کہ یہ وہی سود ہے جس کی حرمت میں شک کی گنجائش نہیں ہے حوالہ کے لیے تین بین الاقوامی علمی و تحقیقی اداروں کا اجماع کافی ہے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں* ۔

۱۔ مجمع البحوث الاسلامیہ ازہر یونیورسٹی (قاہرہ)

۲۔ رابطہ عالم اسلامی کی المجمع الفقہی مکتہ المکرمہ

۳۔ مؤتمر الاسلامی کے تحت مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

قدیم علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اجماع منسوخ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اجماع منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ بعض کہتے ہیں کہ وہ اجماع جو تحقیق و اجتہاد کی بنیاد پر قائم ہوا ہے وہ منسوخ ہو سکتا ہے تاہم ایسے لوگ بھی اس امر پر قائل ہیں کہ اجماع اس وقت منسوخ ہو سکتا ہے جب اس کے خلاف اس ہی جیسا اجماع قائم ہو جائے۔ اب اگر ہم اس کو اجماع اجتہادی پر بھی منطبق کریں تو بھی چند لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا (جن میں سے اکثر فقہ میں نابلد ہیں بلکہ انہوں نے اس بحر بے کراں میں غوطہ زنی بھی نہیں کی) کہ وہ اپنی منفرد ذاتی رائے سے اس اجماع کی مخالفت کریں۔ کیونکہ کمزور چیز مضبوط چیز کو لغو نہیں قرار دے سکتی۔

اب جبکہ بنک بھی وہی ہیں نظام بھی وہی ہے اور فلسفہ بھی وہی ہے یعنی حالات میں کوئی بنیادی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تو ہمارے لیے وہ بات ہی کافی ہے جو شیخ ازہر فضیلتہ الشیخ جاد الحق علی جاد الحق نے واضح الفاظ میں صحیفہ "الاہرام" (مؤرخہ ۱۸ اگست ۱۹۸۹ء) میں کہی ہے۔ ہمیں امید ہے ان کی یہ بات قیامت کے دن ان کے لیے باعث اجر و ثواب ہو گی۔ شیخ ازہر نے کہا: ازہر شریف میں مجمع البحوث الاسلامیہ کے تحت بتاریخ محرم ۸۵ ہجری کو مسلمان علماء کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے فرائض میں (جامعہ ازہر کے قانون و فیصلے کے مطابق) معاشرے کو درپیش مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی مشکلات و مسائل کے بارے میں رائے دینا شامل ہے۔ اس کانفرنس میں قانون، اقتصادیات اور معاشرتی علوم کی کئی ماہر شخصیات مختلف ممالک سے شریک ہوئی تھیں اور انہوں نے مندرجہ ذیل فیصلے جاری کیے۔

۱۔ قرض کی تمام اقسام پر منافع لینا ربٰو (سود) ہے جو کہ حرام ہے خواہ وہ قرض سرمایہ کاری کے لیے لیا گیا ہو یا روزمرہ کی ضروریات کے لیے۔ کیونکہ کتاب و سنت کی نصوص ان دونوں

* ان اداروں کی قراردادوں کے لیے دیکھیے ضمیمہ ۱ تا ۳

اقسام کے قرض پر سود کو حرام قرار دیتی ہیں۔

۲- سود قلیل ہو یا کثیر، حرام ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں فہم صحیح سے اشارہ ملتا ہے "یا ایھاالذین آمنوا لا تاکلوا الربا اضعافاً مضاعفة" ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہ بڑھتا اور چڑھتا (دگنا اور چوگنا) سود کھانا چھوڑ دو۔

۳- سود پر قرض دینا حرام ہے۔ کسی قسم کی ضرورت اس کو جائز قرار نہیں دے سکتی اور اسی طرح سود پر قرض لینا بھی حرام ہے۔ صرف اضطراری حالت میں بقدر ضرورت سود پر قرض لینے سے بندہ گناہ گار نہیں ہو گا کیونکہ مضطر آدمی کے لیے دین میں بقدر ضرورت گنجائش موجود ہے۔

۴- کرنٹ اکاؤنٹ، چیک کیش کرنا، اعتباری لیٹر، ڈرافٹ جو بنکوں اور تاجروں کے مابین اندرونی طور پر منتقل ہوتے ہیں جائز کام ہیں چنانچہ اس قسم کے کاموں پر بنک جو اخراجات لیتا ہے وہ سود نہیں ہے۔

۵- فکسڈ (Fixed) اکاؤنٹ، سودی کریڈٹ اکاؤنٹ اور اس قسم کے دیگر تمام اکاؤنٹس پر منافع سود ہے۔

۶- بنکاری کے وہ معاملات جو بیرونی ڈرافٹ کے متعلق ہیں اس پر فیصلہ تحقیق و بحث مکمل ہونے تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔

لوگوں نے جو سرمایہ بنکوں میں جمع کرایا ہوا ہے اس کے حلال و حرام ہونے کے متعلق شیخ الازھر نے جواب دیا: یہ ان فیصلوں کے پہلے نکتہ میں شامل ہے کہ قانون کی رو سے قرض پر پیشگی طے شدہ منافع ربٰو کے ضمن میں آتا ہے۔

سرکاری منصوبہ جات میں حلال سرمائے سے سرمایہ کاری کے بارے میں شیخ ازھر نے کہا: ان منصوبہ جات میں بنک لوگوں کے ڈپازٹ سے سود پر قرض دینے کے بجائے خود اس سرمایہ کاری میں شراکت کرے اور کھاتہ داروں کو منافع میں سے حصہ دے۔ سروسز پراجیکٹ (Services project) جس کے کچھ حصہ کی بنک سرمایہ کاری کرتے ہیں کے بارے میں انہوں نے کہا: سیونگ سرٹیفیکیٹ کے بارے میں بحث کے دوران ماہرین سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ان سے جمع شدہ سرمایہ رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جاتا ہے اور ان سرٹیفیکیٹ ہولڈرز کو منافع حکومت خود اپنے خزانے سے ادا کرتی ہے۔ اور کابینہ کے فیصلوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان سرٹیفیکیٹ کے مالکان کو انعامی منافع حکومت خود ادا کرتی ہے اس لیے مجمع البحوث نے ان کے

15814

شرعی حکم کے بارے میں فی الحال توقف اختیار کیا ہے۔

یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہے تا کہ کابینہ کے فیصلوں کے نفاذ کی راہ ہموار کرتے ہوئے سرٹیفکیٹس ہولڈرز کو ادا کی جانے والی رقم سود کی صورت میں دینے کے بجائے حکومت کی طرف سے انعام کی صورت میں دی جائے۔ چنانچہ ان سرٹیفکیٹس کو برقرار رکھنے کے لیے یہ ترمیم ضروری سمجھی گئی۔ بہرحال مسلمان اپنی تمام تر شرطوں پر برقرار رہیں گے الا یہ کہ اگر کوئی ایسی شرط ہو جس سے کوئی حلال چیز حرام یا حرام چیز حلال بنا دی گئی ہے لیکن ان سرٹیفکیٹس سے متعلق اس تجویز کے بارے میں جس کا مقصد اس معاملے کو صحیح اصولوں پر استوار کرنا ہے، ماہرین نے توقف اختیار کیا ہے۔

شیخ الازہر نے یہ سب کچھ واضح کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری پوری کی اور اپنے پروردگار کو بھی راضی کیا اور مسلمانوں کے ہاں اپنی حیثیت بھی منوائی۔ میں اپنے عزیز دوست ڈاکٹر محمد سید طنطاوی مفتئ مصر سے بھی امید رکھتا ہوں کہ وہ بھی شیخ ازہر کے نقش قدم پر چلیں گے اور علماء امت سے علیحدگی اختیار نہیں کریں گے اور دوسروں کی خاطر اپنی آخرت نہیں بیچیں گے۔ میں ان کو اللہ تعالیٰ کا وہ قول یاد دلانا چاہتا ہوں جو اس نے اپنے رسول ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

ثمّ جعلنک علی شریعۃٍ من الامر فاتبعھا و لا تتبع اھوآءَ الذین لا یعلمون۔ انھم لن یغنو عنک من اللہ شیا و ان الظلمین بعضھم اولیآءُ بعض واللہ ولی المتقین۔ ھذا بصائر للناس و ھدی و رحمۃ لقوم یوقنون۔ (ترجمہ: اس کے بعد اب اے نبی ﷺ ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا۔ لہذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو یقین لائیں۔ (الجاثیہ: ۱۷-۲۰)

مجمع البحوث الاسلامیہ کے اس واضح فیصلے پر جس میں بنکوں کے تمام قسم کے منافع کو خواہ وہ سرمایہ کاری کے لیے لیے گئے قرض پر ہو یا ذاتی اخراجات کے لیے اور قلیل ہو یا زیادہ سود قرار دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس پر رائے زنی کی ہے۔ ان رائے زنی کرنے والوں نے کہا کہ یہ فیصلہ مشروط ہے یعنی اس فیصلے کا اطلاق اس وقت ہو گا جب معاملہ لوگوں کا آپس میں ہو۔ جبکہ بنک کے ساتھ لوگوں کے معاملات پر اس کا اطلاق نہیں ہو گا۔

جو لوگ کلام اللہ میں تاویل کے ذریعے زیادتی کرتے ہیں ان سے کوئی بعید نہیں کہ وہ

انسانوں کے کلام میں تاویل کر کے زیادتی کریں۔ حالانکہ وہ فیصلہ اس طرح واضح و صاف ہے جس طرح سورج آسمان میں ہوتا ہے۔ لوگ سرمایہ کاری کے لیے ایک دوسرے سے معاہدات نہیں کرتے بلکہ ایسے معاہدات بنک اور کمپنیوں سے کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ حق ظاہر ہو گیا ہے اور آنکھوں والوں کے لیے صبح روشن ہو گئی ہے۔ راستہ ظاہر ہو جانے اور دلیل آ جانے کے بعد حیلوں اور تاویلوں کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ "لیھلک من ھلک عن بینہ و یحیٰ من حیّ عن بینہ" ترجمہ: تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے۔ (الانفال: ۴۲)

الھم أکفنا بحلالک عن حرامک و بطاعتک عن معصیتک و بفضلک من سواک.
آمین

باب دوم

مفتی مصر کے فتوے کا علمی جائزہ

جمہوریہ مصر کے مفتی شیخ ڈاکٹر محمد سید طنطاوی ہمارے بھائی اور پرانے دوست ہیں۔ میں ان کو کافی عرصے سے جانتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ ان میں دینی غیرت، احترام و ادب، نرم خصلت، دوستوں کے لیے محبت اور دوسروں کی قدر دانی جیسی صفات پائی ہیں۔ جان پہچان اور ان کے ساتھ حسن ظن کی وجہ سے دوسروں کی طرح مجھے بھی اس چیز کا احساس ہے کہ یہ سب کچھ انہوں نے اپنی طبیعت اور مزاج کے خلاف کیا ہے یعنی ان سے یہ کام دباؤ ڈال کر کروایا گیا ہے۔ اور ان کے فتوے پر تنقید کرنے سے میرے دل میں ان کی محبت واحترام میں کمی نہیں آئی بلکہ جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ کے بارے میں امام حافظ ذہبی نے کہا تھا: "شیخ الاسلام (ابن تیمیہ) سے ہمیں محبت ہے لیکن حق ہمیں ان سے زیادہ محبوب ہے"۔

سود کے بارے میں میں نے گزشتہ باب میں جو کچھ لکھا ہے یہ مفتی مصر ڈاکٹر محمد سید طنطاوی کے سیونگ سرٹیفیکیٹ * کے بارے میں فتوے سے پہلے لکھا ہے۔ جن کو مصر کا نیشنل بنک جاری کرتا ہے۔ یہ وہ بنک ہے جو ابتداء سے آج تک سراپا سود کے پنجہ میں جکڑا ہوا ہے۔ اس بنک کو تو اتنی کوشش کی بھی توفیق نہیں ہوئی جتنی دیگر مصری بنکوں نے کچھ ایسی برانچیں کھول کر کی جس میں اسلامی طریقے کے مطابق معاملات طے کیے جاتے ہیں۔

یہ سرٹیفیکیٹ ان قرضوں کی ایک قسم ہے جو حکومت اور مالدار عوام کے درمیان طے پاتے ہیں۔ حکومت کچھ منصوبوں کے لیے یا اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے لوگوں سے قرض لیتی ہے اور لوگ مقررہ شرح منافع (سود) پر قرض دیتے ہیں۔ یہ شرح سود بنک ہر سال فیصد کے اعتبار

---

* عربی عبارت میں جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کے لغوی معنی سرمایہ کاری سرٹیفیکیٹ کے ہیں۔ لیکن عملاً یہ وہی سرٹیفیکیٹس ہیں جو ہمارے یہاں سیونگز سرٹیفیکیٹس کہلاتے ہیں اسی لیے ترجمہ میں ہم نے سیونگز سرٹیفیکیٹس ہی استعمال کیا ہے۔

سے (مثلاً دس فیصد یا کم و بیش) مقرر کرتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ سود منافع کی نسبت سے نہیں بلکہ اصل سرمائے کی نسبت سے مقرر کیا جاتا ہے اور یہ بھی دوسرے سودی منافع کی طرح ہر سال مختلف ہوتا ہے۔

مفتی مصر نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ان سرٹیفیکٹس کے بارے میں استفسار کس نے کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ سائل عوام میں سے نہیں ہے بلکہ حکومت ہے۔ میری رائے میں حکومت نے جس وقت ان سے فتویٰ طلب کیا تھا تو مفتی مصر کو یہ مسئلہ مجمع البحوث الاسلامیہ کے سپرد کر دینا چاہیے تھا جو ایک سرکاری ادارہ ہے اور حکومت نے اس کو ایک قانونی حیثیت دی ہے اور اسے نئے پیدا ہونے والے اہم مسائل پر تحقیق ہی کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ ادارہ جامعہ ازہر کے تین بنیادی اداروں میں سے ایک ہے۔ اور ایک بین الاقوامی ادارہ ہونے کی بنا پر اس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں ازہر شریف اور عالم اسلام کے دوسرے بڑے بڑے علماء شامل ہوں۔

مفتی صاحب کے اختیار میں تھا کہ معذرت کر لیتے اور کہتے کہ کافی عرصے سے تو حکومت نے مفتیٔ مصر کو صرف میراث، شخصی مسائل، پھانسی کے حکم کی تصدیق اور رمضان، شوال اور ذوالحجہ کے چاند کے ثبوت کے اعلان وغیرہ تک محدود رکھا ہے اور اس سے اقتصاد، معاملات، سیاست اور حدود وغیرہ کے شرعی احکام اور ان کے نفاذ کے بارے میں نہیں پوچھا۔ اس کے علاوہ یہ کہہ کر بھی معذرت کر سکتے تھے کہ اس سے پہلے بہت سارے مفتیان کرام کے فتوے موجود ہیں جو کہ ان سے علم فتویٰ میں زیادہ ماہر ہیں اور میں ان کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔

اس طرح کا جواب ان کے بس میں تھا اور اس پر کوئی آدمی ان کو ملامت بھی نہ کرتا۔ لیکن مفتی صاحب نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور شیخ ازہر کی رائے، مجمع البحوث الاسلامیہ، عالم اسلام کے فقہی اداروں اور فقہ، اقتصاد اور اسلامی بنکوں کی کانفرنسوں کی سفارشات سے تجاہل عارفانہ برتا۔ اور اس قلیل گروہ کی موافقت کی جن کی خواہشات کا سب کو علم ہے اس گروہ میں سے اکثر فقہ سے نابلد ہیں۔ اور ان میں سے کسی نے اس میدان میں تدریس و تالیف یا فتویٰ و قضاء کا کوئی کام بھی نہیں کیا ہے۔

جولائی ۱۹۸۹ء کے اوائل میں مفتی صاحب قاہرہ میں میرے گھر تشریف لائے اور ملاقات کا شرف بخشا اس موقع پر بعض دوسرے دوستوں کی موجودگی میں اس موضوع پر بحث ہوئی، جن میں ایک ڈاکٹر علی سالوس جو کہ فقہ کے ماہر ہیں اور دوسرے ڈاکٹر عبدالحمید الغزالی جو کہ اقتصاد کے ماہرین میں سے ہیں، شامل تھے اس وقت موضوع کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا۔ جب مفتی

صاحب کے ذہن میں اس بارے میں جو شکوک شبہات تھے وہ تین گھنٹوں کی بحث و تمحیص کے دوران میں دور کر دیئے گئے تو مفتی صاحب نے کہا کہ در حقیقت وہ اس معاملہ کو ماہرین سے سمجھنا اور ان سے بعض چیزوں کی وضاحت چاہتے تھے تاکہ اگر ان سے اس بارے میں کوئی سوال کیا جائے تو ذہن میں یہ بات واضح ہو اور اب وہ اس پر فتویٰ صادر نہیں کریں گے اگر انہوں نے اس بارے میں کوئی فتویٰ دینے کا ارادہ بھی کیا تو پہلے اس کو ہمارے سامنے پیش کریں گے یقیناً یہ بات ان کی کسرِ نفسی اور ادب کی علامت ہے۔

اس دوران میں جمعیة الاقتصاد الاسلامی نے قاہرہ میں ایک بہت بڑا سیمینار منعقد کیا۔ جس میں فقہ، اقتصاد اور قانون کے ماہرین نے شرکت کی۔ اس سیمینار میں شرکت کی دعوت مفتیٔ مصر شیخ طنطاوی اور ڈاکٹر النمر جنہوں نے پہلی بار اس مسئلے کو مصری اخبارات اور رسائل میں موضوع بحث بنایا اور ان کے ہم خیال لوگوں کو بھی دی گئی۔ لیکن افسوس کہ وہ سیمینار میں نہ آئے۔ حاضرین مجلس (جو کہ سو سے زیادہ تھے) کا موقف زمانہ جاہلیت والے سود کی طرح موجودہ سود کے بارے میں بھی متفقہ تھا کہ یہ بھی رِبٰو ہے اور حرام ہے اور سوائے ایک آدھ کے کسی نے اس موقف کی مخالفت نہ کی۔

الجزائر میں الفکر الاسلامی کے اجلاس میں مفتیٔ مصر سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو دوبارہ تنبیہ کی جواباً انہوں نے مجھے بتایا کہ میں نے ایک مسودہ تیار کیا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ وہ آپ کے سامنے پڑھوں۔ اس مقصد کے لیے ہم نے شیخ محمد غزالی کے گھر ملاقات کا پروگرام طے کیا لیکن یہ ملاقات نہ ہو سکی۔ کیونکہ اس دن مفتی صاحب کو سفر کرنا تھا چنانچہ میں ان کا تیار کردہ مسودہ نہ پڑھ سکا۔

بالآخر دارا الافتاء سے یہ فتویٰ جاری ہوا جس کا مفتی صاحب نے پریس کانفرنس میں پڑھ کر اعلان کیا۔ ۸ ستمبر ۱۹۸۹ء جمعتہ المبارک کے دن مصری اخبارات اور ذرائع ابلاغ نے اس کو اپنی غرض کے پیش نظر بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ فتویٰ میں اعلان کیا گیا کہ سیونگ فنڈ کی طرح سیونگ سرٹیفکیٹ بھی شرعی طور پر جائز و حلال ہیں۔ جبکہ اصل موضوع یعنی سودی بنکاری کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی۔ ممکن ہے کہ یہ خاموشی اس فتوے کے بارے میں لوگوں کا ردعمل دیکھنے کے لیے اختیار کی گئی ہو کہ لوگ اگر اس کو قبول کر لیتے ہیں تو اگلا قدم اٹھایا جائے جس طرح بارش کی ابتداء ایک قطرے سے ہوتی ہے پھر موسلادھار پانی برستا ہے۔

آیئے اس فتوے اور اس میں دیئے گئے دلائل کا جائزہ لیا جائے۔

۱۔ فتوے کا آغاز ایک مسلمہ قاعدے سے کیا گیا ہے کہ حلال کے بارے میں غور و فکر ضروری ہے اور جو چیز واضح طور پر حرام ہے اس سے اجتناب کیا جانا چاہیے اور مشتبہات سے احتیاط برتی جانی چاہیے چنانچہ مشہور حدیث ہے:

"ان الحلال بين و ان الحرام بين و بينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات فقد استبرا لدينه و عرضه و من وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمى يوشك ان يقع فيه." (متفق عليه من حديث النعمان بن بشير)

ترجمہ: حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ایسی ہیں جنھیں بہت سے لوگ نہیں جانتے لہذا جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا اور جو ان مشتبہ چیزوں سے اپنا دامن نہ بچا سکا تو گویا وہ حرام میں داخل ہو گیا۔ جس طرح چرواہا ممنوعہ جگہ کے آس پاس بکریاں چراتا ہے تو ڈر ہے کہ وہ ممنوعہ حدود میں داخل نہ ہو جائے۔

مفتی مصر نے اس حدیث کا ذکر اور اس سے استدلال تو درست کیا اور اسی طرح ایک اور مشہور حدیث کا بھی درست ذکر کیا جو اس طرح ہے کہ "دع ما يريبك الى مالا يريبك" مشکوک چیزیں چھوڑ دو اور غیر مشکوک چیزیں اختیار کرو) یعنی جس چیز کے بارے میں شک ہو کہ یہ حرام ہو سکتی ہے اس کو چھوڑ دینا چاہیے اور جو چیز یقینی حلال ہو اور اس میں کوئی شک نہ ہو اس کو اختیار کر لینا چاہیے۔ اس قاعدے کا تقاضا تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسے معاملات، جس میں سود کا اختلاط ہے چھوڑ دینے چاہئیں۔ کیونکہ جمہور علماء کی رائے کے مطابق اگر ایسے معاملات قطعی حرام نہیں ہیں پھر بھی یہ مشتبہات کے دائرے میں آتے ہیں بلکہ فتوے کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کے نزدیک بھی ان میں شبہ کا پہلو قوی ہے۔

۲۔ فتوے میں وہ معاملات پیش کیے گئے جو سب کے نزدیک حلال ہیں اور جو کہ اسلامی بنک اور مالیاتی ادارے استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً خرید و فروخت، مشارکت، مضاربت وغیرہ اسی طرح وہ معاملات بھی ذکر کیے گئے ہیں جو سب کے نزدیک حرام ہیں مثلاً ملاوٹ، دھوکہ، ظلم اور وہ معاملات جن میں غلط فائدہ حاصل کیا گیا ہو۔ یا ایسے رذیل ہتھکنڈے استعمال کیے گئے ہوں جن کی اسلامی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

درحقیقت اس قسم کی چیزیں تو سرے سے باعث اختلاف ہیں ہی نہیں۔ اختلاف تو سودی بنک، سیونگ سرٹیفکیٹ اور اسی قسم کے دوسرے معاملات میں ہے۔ یہ تو فریب دینے والی بات

ہے۔ ورنہ اس قسم کی چیزوں کے ذکر کرنے کی جن کو ہر عام و خاص جانتا اور سمجھتا ہے کوئی ضرورت نہ تھی۔

بہر حال فتوے کے اس حصے پر میری بعض آراء ہیں جن کو میں پیش کرنا چاہوں گا:

ا۔ فتوے کے اس حصے میں اسلامی بنکاری پر طعن زنی اور شکوک پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ "فرض کریں کہ اسلامی بنک اپنے معاملات مضاربت یا دیگر کسی حلال طریقے سے طے کرتے ہیں جس میں مقدار اور وقت کے پیشگی تعین کے بغیر (نفع و نقصان کی بنیاد پر) منافع تقسیم کیا جاتا ہے نفع کی صورت میں سب نفع حاصل کرتے ہیں اور خسارے کی صورت میں عدل و انصاف کے مطابق سب نقصان برداشت کرتے ہیں اس طرح یہ معاملات اور ان کا منافع شرعاً جائز و حلال ہے۔" ان کا یہ کلمہ کہ "فرض کریں کہ اسلامی بنک ...." اسلامی بنکوں کے بارے میں شک پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ ان اسلامی بینکوں پر شرعی اداروں کی نگرانی ہوتی ہے اور نگرانی کرنے والے ارکان میں سے بعض مفتی صاحب کے ساتھی اور بعض ان کے اساتذہ ہیں۔

ب۔ اسی طرح مفتی صاحب کی یہ بات کہ "وہ بنک جو خود کو اسلامی کہلاتے ہیں" ایک طرح کا طعن ہے جو کہ ایک غیر مناسب کام ہے اس سے تو انہوں نے سودی بنکاری کی خدمت کی ہے اسی لیے خدشہ ہے کہ کہیں یہ بنکوں کے سود کو جائز قرار دینے کے لیے تمہید نہ ہو جیسا کہ بہت سارے لوگ توقع رکھتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کیونکہ میں ابھی تک مفتی مصر سے خیر کی توقع رکھتا ہوں۔

ج۔ مفتی صاحب نے کہا کہ سودی بنک بھی (جو کہ اپنے آپ کو اسلامی نہیں کہتے) کچھ معاملات اسلامی اصولوں کے مطابق کرتے ہیں جو کہ متفقہ طور پر حلال ہیں۔ ان کی یہ بات تسلیم کرنے کے قابل نہیں۔ کیونکہ اکثر علماء ان بنکوں کے معاملات کی شرعی حیثیت کے بارے میں شک کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ ان میں ربٰو سے بچنے کے لیے کوئی نظام یا قانون نہیں بنایا گیا نہ ہی ان پر کوئی شرعی نگرانی کا انتظام کیا گیا ہے اور نہ ان بنکوں میں حلال مال کے لیے علیحدہ کوئی گارنٹی دی جاتی ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ان معاملات کو ان چیزوں میں شمار کیا جائے جن پر اختلاف موجود ہے اور مفتی صاحب کو بھی دلائل کی روشنی میں اپنے موقف سے رجوع کرنا چاہیے۔

بنک قرضوں پر جو انتظامی اخراجات (Service charges) لیتے ہیں اسے بھی ان

معاملات میں شمار کیا گیا ہے جو سب کے نزدیک حلال ہیں۔ حالانکہ اس میں بھی بعض لوگوں نے اختلاف کیا ہے اس لیے علمی دیانت کا تقاضا تھا کہ ایسی اختلافی رائے کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا خواہ مفتی صاحب کے نزدیک یہ رائے کمزور ہی تھی۔ اور اس کو ان معاملات میں نہ رکھا جاتا جو متفق علیہ ہیں۔ دوسری طرف فتوے میں ایک مثال پیش کی گئی ہے کہ "ایک شخص کسی کو سو روپے ایک مقررمدت تک کے لیے قرض دیتا ہے ادائیگی قرض کا وقت آجاتا ہے لیکن مقروض ادائیگی قرض کی استطاعت نہیں رکھتا تو قرض خواہ مقروض کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے کہ یا تو قرض واپس کرو یا پھر ایک مہینے کی مہلت پر دس روپے زیادہ ادا کرو یہی وہ اصل سود ہے جس پر اسلامی شریعت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ۔ ہے" مفتی صاحب اگر یہ کہتے تو اچھا تھا کہ یہ اس ظاہر اور واضح سود کی ایک صورت ہے اور سود کو صرف اسی ایک صورت میں محدود نہ کرتے جیسا کہ ان کی بات سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ بعض لوگ یہی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کا سود صرف یہی ہے کہ قرض دینے والا مقروض کو ادائیگی قرض کے وقت کہے کہ یا تو قرض ادا کرو یا اس پر مقرر سود ادا کرو۔ اس چیز کی وضاحت ہم سودی بنکاری کی حرمت کے باب میں بھی کر آئے ہیں۔

چنانچہ فتوے کا مفہوم و مطلب تو یہی ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے سو روپے قرض دو اور میں تمہیں مہینہ بعد ایک سو دس روپے واپس ادا کروں گا تو یہ اس سود میں شمار نہ ہوگا جو کہ متفقہ طور پر حرام ہے۔ کیونکہ سود کو پہلی صورت میں ہی محدود کر دیا گیا ہے۔ اور اہل نحو و بلاغت کے نزدیک حصر (مقید کرنا) یہی ہے کہ مسند اور مسند الیہ کے درمیان ضمیر فصل ہو "فهذا هو الربا الجلى" یعنی یہ ہی ظاہر و واضح سود ہے اور کوئی اور قسم نہیں ہے۔

۳۔ فتویٰ اصل میں سیونگ سرٹیفیکٹ کے متعلق ہے۔ مفتی صاحب نے اس کو مختلف فیہ مسائل کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ اس طرح کہ قسم "الف" اور "ب" تو شرعاً حرام ہیں البتہ قسم "ج" میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں اختلاف معمولی سا ہے اور قریب تھا کہ اس کے بارے میں بھی اجماع منعقد ہو جاتا۔

میں ان کے سب سے بڑے مشیر پرفیسر طارق البشری سے پوچھتا ہوں "کہ مفتی صاحب نے صرف ان باتوں کو کیوں پیش کیا ہے جو اس کمیٹی کے اجلاس میں پیش کی گئی تھیں جبکہ ان کے پاس واضح اور فیصلہ کن فتوے موجود ہیں جو کہ ان سے پہلے اسی دار الافتاء سے، جس کے یہ اب متولی ہیں، جاری کیے گئے ہیں ان میں سے ایک فتویٰ سابق مفتی مصر اور حالیہ شیخ الازہر شیخ جاد الحق

علی جاد الحق نے ۱۴ مارچ ۱۹۷۹ء کو جاری کیا تھا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ حکومت مقرر شدہ منافع کے وعدہ پر جو سرٹیفیکٹ جاری کرتی ہے یہ اس قرض کی طرح ہیں جس پر سود ادا کیا جاتا ہے اور شریعت اسلامی نے ایسے قرض کو حرام قرار دیا ہے جس پر منافع پہلے سے طے کر لیا گیا ہو۔ خواہ قرض دینے اور لینے والا کوئی بھی ہو۔ کیونکہ ایسے قرض کو کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجماع امت تینوں نے حرام قرار دیا ہے۔

ایک اور فتویٰ ۹ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جاری کیا گیا تھا جس میں حتمی طور پر کہا گیا کہ سیونگ سرٹیفیکٹ دراصل سودی قرضے ہیں۔ فتوے میں کہا گیا کہ سرٹیفیکٹ پر منافع، سیونگ کھاتے اور ان پر منافع یہ سب ہی ربٰوا میں شامل ہیں۔ کسی مسلمان کے لیے اس سے فائدہ حاصل کرنا حلال نہیں ہے۔ یہ بات کہ سرٹیفیکٹ پر جو سود ادا کیا جاتا ہے یہ حکومت کی طرف سے خدمت کے صلے کے طور پر انعام ہے۔ ان سرٹیفیکیٹس پر صادق نہیں آتی جس پر مقررہ منافع ادا کیا جاتا ہے۔

ایک فتویٰ ۱۰ جنوری ۱۹۸۰ء کو جاری ہوا اس فتوے میں بھی کہا گیا کہ سرٹیفیکٹ اور سیونگ کھاتے میں جمع رقم جس پر پہلے سے منافع طے کر لیا جاتا ہے کہ رقم پر اتنے فیصد نفع ملے گا سب سود ہیں جو شرعاً حرام ہے۔ اسی طرح کا ایک فتویٰ ۱۲ جنوری ۱۹۸۰ء کو جاری کیا گیا۔

ایک فتویٰ ۲۲ جنوری ۱۹۸۰ء کو جاری ہوا جس میں ذکر کیا گیا کہ افراد کے درمیان معاملہ ہو یا حکومت اور عوام کے مابین دونوں صورتوں میں سود حرام ہے۔ اس سے سود کی حرمت میں فرق نہیں پڑتا۔ ایک فتویٰ ۲ اگست ۱۹۸۰ء کو جاری ہوا جس میں کہا گیا کہ وہ سیونگ سرٹیفیکٹ جن پر نفع پہلے سے طے کر لیا جائے۔ اس قرض کی طرح ہیں جس پر سود لیا گیا ہو اور ہر قرض پر سود لینا حرام ہے پھر اسی طرح کا ایک فتویٰ ۲ فروری ۱۹۸۸ء کو جاری ہوا بلکہ اس کے بعد بعینہٖ یہی فتویٰ ڈاکٹر طنطاوی صاحب نے چند ماہ پہلے یعنی ۱۹ فروری ۱۹۸۹ء کو جاری کیا۔ ہوا یوں تھا کہ ایک شہری کو بیالیس ہزار (۴۲۰۰۰) جنیہات (مصری کرنسی) ملے وہ چاہتا تھا کہ ان کو سرٹیفیکٹ کی صورت میں رکھے کیونکہ کوآپریٹو سوسائٹیز میں پیسوں کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاتی۔ اور وہ آدمی محنت کرنے کا متحمل نہیں تھا اور اس نے اخبار میں پڑھا کہ علماء نے تحقیق کی ہے کہ جو رقوم بنکوں میں رکھی جاتی ہیں، ان کو صنعتی اور تجارتی کاموں میں لگایا جاتا ہے چنانچہ اس قسم کے سرٹیفیکٹ پر منافع حلال ہے اور یہ سود نہیں ہے۔ مذکورہ آدمی بھی چاہتا تھا کہ وہ حرام سے بچا رہے اسی لیے اس آدمی نے مفتی صاحب سے اس معاملے میں شریعت کی رائے دریافت کی۔ کہ بعض علماء اس منافع کو حلال قرار دے رہے ہیں جبکہ بعض دوسرے اس کو سود کہتے ہیں۔ اس موقع پر مفتی صاحب کا

جواب مندرجہ ذیل تھا۔

"اللہ فرماتا ہے: "یا ایها الذین آمنوا اتقوا اللہ و ذروا مابقی من الربا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ و ان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لاتظلمون ولا تظلمون" - ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو، نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹)

رسول اللہ ﷺ نے بروایت ابو سعیدؓ فرمایا: "الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ و البر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یداً بید فمن زاد اواستزاد فقد اربی. الاخذ والمعطی فیہ سواء" (احمد و بخاری) ترجمہ: سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، کھجور کا کھجور سے، نمک کا نمک سے جیسے کا تیسا اور دست بدست ہونا چاہیے۔ جس نے زیادہ دیا لیا اس نے سودی معاملہ کیا، لینے والا اور دینے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔

سود کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں سود یہ ہے کہ: ھو زیادۃ مال فی معاوضۃ مال بمال بدون مقابل. کہ مال کے بدلے مال ہو تو اس میں بلامقابل کچھ زیادہ مال دے دینا۔

اس طرح کے سود کی حرمت تمام آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہے۔ بنک سے قرض لینا یا اس کو دینا اور اس پر کسی صورت میں بھی پیشگی نفع طے کر لینے کو سودی قرض کہا جائیگا اور اس طرح جو بھی نفع حاصل کیا جائے گا وہ سود کی تعریف میں داخل ہو گا جو کہ شرعاً حرام ہے۔ نصوص قطعیۃ بھی اس کی حرمت کا تقاضا کرتی ہیں اسی لیے ہم ہر مسلمان کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سرمایہ کاری کے لیے حلال راستے تلاش کرے اور اس راستے سے دور رہے جس پر حرام کا شبہ ہو کیونکہ قیامت کے دن اس سے مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا تھا اور کس چیز پر خرچ کیا تھا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم"

اب آخر مفتی صاحب کو ان چند ماہ میں کونسی ایسی چیز ملی ہے جس کی وجہ سے مفتی صاحب نے اپنے فتوے کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ ہم سوء ظن نہیں رکھتے۔ اگرچہ بعض لوگ کچھ شواہد و

قرائن کا بھی تذکرہ کرتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ انسان کو اس کی اچھی نیت پر محمول کیا جائے گا اور اس کے ظاہر پر حکم لگایا جائے گا۔ باقی جو پوشیدہ راز ہیں ان کو اللہ پر چھوڑا جائے گا۔ اس لیے ہم ان کے تبدیلیٔ فتوے کو تبدیلیٔ اجتہاد پر محمول کرتے ہیں۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیونگ سرٹیفیکٹ کا مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ بعض لوگ اس کو حرام کہتے ہیں جیسا کہ مفتی صاحب نے فروری ۱۹۸۹ء میں فرمایا اور بعض لوگ اسے حلال کہتے ہیں جیسا کہ مفتی صاحب نے ستمبر ۱۹۸۹ء میں اس کے بارے میں فتویٰ دیا۔

انصاف کے ساتھ معاملے کی تحقیق

فتویٰ دینے سے قبل مفتی صاحب نے سیونگ سرٹیفیکٹ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے نیشنل بنک سے پوچھا کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سے حاصل شدہ سرمایہ کہاں خرچ ہوتا ہے؟ اور اس پر جو منافع دیا جاتا ہے وہ کون دیتا ہے؟ اگر آخری سوال کے اس جواب کو بنظر غائر دیکھا جائے جو نیشنل بنک کے چیئرمین نے دیا ہے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ وہ مفتی صاحب کے اصل سوال سے انحراف کے مترادف ہے۔

سوال تھا کہ سرٹیفیکٹ پر جو منافع دیا جاتا ہے وہ کون ادا کرتا ہے جواب یہ دیا گیا کہ یہ بوجھ اور اس کے علاوہ اس پر جو اخراجات آتے ہیں وہ وزارت مالیات ادا کرتی ہے۔ چیئرمین بنک نے اس کو منافع کہنے کی ذمہ داری بھی قبول نہیں کی۔ کیونکہ یہ سرے سے منافع ہے ہی نہیں۔ لہذا اس کو بوجھ شمار کیا گیا ہے، جو وزارت مالیات برداشت کر رہی ہے۔ چاہے اسکیم منافع دے یا نقصان۔ اسی بات کو شیخ الازھر نے رسالہ "الاہرام" میں واضح کیا ہے "سیونگ سرٹیفیکٹ کے متعلق تحقیق کے دوران اقتصادیات کے ماہرین سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی رقم صنعتی منصوبوں پر خرچ ہوتی ہے۔ اور ان پر منافع حکومت اپنے خزانے سے ادا کرتی ہے اور وزارت مالیات کے قوانین میں یہ بات صراحت سے لکھی گئی ہے کہ سرٹیفیکٹ پر جو منافع ادا کیا جاتا ہے وہ حکومت اپنی طرف سے دیتی ہے اسی وجہ سے مجمع البحوث الاسلامیہ نے ان کے شرعی حکم کے متعلق توقف اختیار کیا ہے۔

دارالافتاء نے نیشنل بنک سے یہ عجیب و غریب سوال کیا کہ ان سرٹیفیکٹ کو قرض کہا جائے گا یا امانت؟ اور کیا صاحب مال نے اس سرمائے سے سرمایہ کاری کی اجازت دی ہے؟ حالانکہ یہ کام تو اصولاً شریعت اور فقہ کا ہے جس کے بارے میں بنک مفتی صاحب سے دریافت کرتا۔ نہ

کہ مفتی صاحب بنک سے پوچھتے۔ گویا مفتی صاحب بنک کو تلقین کر رہے تھے کہ اس سے بھی پوچھا جائے۔ یہی بات مالی امور کے مشیر ڈاکٹر طارق البشری نے محسوس کرتے ہوئے پچھلے جمعۃ ۱۵ ستمبر ۱۹۸۹ء کو ایک رسالے کے وفد سے بات کرتے ہوئے کہی ہے۔

۴۔ اصل بات یہ ہے کہ اس فتویٰ میں اس کمیٹی کی تحقیق و معلومات کا سہارا لیا گیا ہے جو مجمع البحوث الاسلامیہ نے تشکیل دی تھی۔ اس کمیٹی میں ازہر شریف کے چاروں مذاہب سے تعلق رکھنے والے علماء شامل تھے۔ لیکن اکثر شریک مجمع البحوث الاسلامیہ کے ارکان نہیں تھے۔ یہ کمیٹی سرٹیفیکٹ کے بارے میں تحقیق کرنے اس کے بارے میں شرعی حکم بیان کرنے اور اس پر کوئی فیصلہ صادر کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ کمیٹی کے بارے میں میری رائے اور تبصرہ درج ذیل ہے۔

الف۔ یہ کمیٹی کسی آخری فیصلے یا نتیجے پر نہیں پہنچی اور نہ کمیٹی نے کوئی فیصلہ صادر کیا تھا یہ صرف گفتگو تک محدود رہی۔ جس میں اختلاف رہا بعض نے سرٹیفیکٹ کو جائز قرار دیا اور بعض نے اس کو ممنوع قرار دیا۔

ب۔ یہ کمیٹی اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ صادر کرنے کے لیے بااختیار نہیں تھی۔ کیونکہ اس کا کام لوازمہ اکٹھا کرنا اور اس کو کونسل (مجمع) کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اس کو رد یا قبول کرنا کونسل کا کام تھا اور یہ بات واضح ہے کہ کمیٹی کے اکثر لوگوں کی جو رائے تھی اس کو نہ صرف کونسل نے پاس نہیں کیا بلکہ کئی سال گزرنے کے باوجود اس پر کوئی فیصلہ نہیں دیا۔

ج۔ اس کمیٹی کے سب ارکان مقلد تھے جو کہ اپنے مذہب کے اقوال کا خیال رکھتے ہیں اور اس رائے کو ترجیح دیتے ہیں جو ان کے مذہب والوں نے دی۔ یہ اپنی طرف سے نیا اجتہاد نہیں کرتے چنانچہ ان کے لیے ضروری تھا کہ اس مسئلے کا حکم بھی اپنے ائمہ کے اصولوں کے مطابق نکالتے۔ ہم ان کے آئمہ میں سے کسی کے اقوال میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتے جس سے معلوم ہو کہ وہ اس مسئلے میں جواز کی طرف میلان رکھتے تھے۔

سیونگز سرٹیفیکیٹ کے متعلق رائے قائم کرتے ہوئے ہمیں ڈاکٹر سلام مذکور نے نہیں بتایا کہ انہوں نے اصول حنفیہ سے یہ کیسے تخریج کیا ہے؟ اور نہ ہمیں شیخ یسین سویلم نے بتایا کہ انہوں نے اصول مالکیہ سے یہ کس طرح نکالا؟ اسی طرح نہ ہمیں شیخ عبدالعظیم برکت نے بتایا کہ انہوں نے اصول حنابلہ سے یہ کیسے تخریج کیا؟ اور مجھے معلوم ہوا کہ اس کمیٹی کے چیئرمین علامہ

فرج السنہوری نے کمیٹی کے ارکان کا مواخذہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس نتیجے پر تم پہنچے ہو یہ محض شخصی رائے ہے اس کا تمہارے مذہب کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اور حقیقتاً یہ رائے ایسی ہے جس پر دلائل نہ ہونے کی وجہ سے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مذہب شافعیہ کے مشائخ نے خوب کہا کہ یہ معاملہ مضاربہ فاسدہ کے قریب ہے کیونکہ اس میں ایک کا سرمایہ ہے اور دوسرے کا عمل۔ لیکن پہلے سے منافع طے کر لینے کی وجہ سے اس کو شرعاً مضاربت فاسدہ کہیں گے۔ اس کے علاوہ سیونگ سرٹیفیکیٹ میں ضروری ہے کہ مضارب سرمائے کا ضامن ہو جبکہ اجماع کے مطابق یہ شرعاً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت میں مضارب مال کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ مال اس کے ہاتھ میں بطور امانت ہوتا ہے۔

جبکہ دوسرے تین مذاہب کے مشائخ نے اپنے ساتھ بھی دھوکہ کیا اور دوسروں کے ساتھ بھی۔ ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ معاملہ مضاربت کے باب میں سے ہے اور یہ صحیح مضاربت ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ مضاربت صحیح کیسے بن سکتی ہے جبکہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ مضارب مال کا ضامن نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ سرمایہ اس کے ہاتھ میں بطور امانت ہوتا ہے۔ جبکہ یہاں بنک ہر حال میں سرمائے کا ضامن ہوتا ہے۔ اگرچہ سرمائے کے ضیاع میں بنک کی طرف سے کوئی زیادتی، خیانت یا کوتاہی بھی نہ ہوئی ہو اسی طرح اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ مضاربت میں طرفین میں سے کوئی اگر پیسے متعین کر لیتا ہے تو بالا جماع مضاربت فاسد ہو جاتی ہے۔ ابن منذر اور ابن قدامۃ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ شیخ برکت نے حنبلی مذہب کے نام پر جو کہا ہے ابن قدامۃ (صاحب المغنی) نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔ پھر آخر اس کی سند مذہب حنبلی سے کہاں سے لی گئی ہے؟

ڈاکٹر مدکور نے ایک اور بات یہ کہی کہ یہ ایک نیا معاملہ ہے لہذا اس کو سابقہ ناموں میں سے کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ یہ معاشرے اور لوگوں کے لیے نفع بخش چیز ہے اور اس میں طرفین میں سے کوئی کسی دوسرے کا استحصال بھی نہیں کرتا اس لیے بنک جو منافع ادا کرتا ہے وہ سود نہیں ہے کیونکہ نہ اس میں استحصال ہے اور نہ خسارے کا احتمال ہے۔

یہ تمام باتیں بلا دلیل ہیں اور یہ حکم بلا برہان ہے۔ یہ بات کہ یہ ایک نیا معاملہ ہے، ان لوگوں کی بات جھٹلانے کے لیے کافی ہے جو اس کو مضاربت یا قراض کی ایک صورت بتاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق ایک طرف سے سرمایہ ہوتا ہے اور دوسری طرف سے عمل و محنت ہوتی ہے پھر بعض لوگوں نے اس کو مضاربت فاسدہ کہا اور بعض نے اس کو صحیح مضاربت

کہنا ہے اگر کوئی آدمی کہتا ہے کہ ایک شخص کو سرمایہ دینا اور اس سے ہر سال یا ہر ماہ متعین نفع لینا جدید زمانے کی ایجاد ہے جس سے پہلے زمانے کے لوگ واقف نہیں تھے تو امام فخر الدین رازی کا اپنی تفسیر میں یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ "ربا النسیئہ زمانہ جاہلیت میں معروف تھا کیونکہ اس میں ایک آدمی کچھ مدت کے لیے اپنا سرمایہ دیتا ہے تو دوسرا فریق ہر ماہ ایک مقرر مقدار سے پیسے ادا کرتا رہتا ہے جبکہ اصل سرمایہ بھی اپنی حالت پر برقرار رہتا ہے۔" یعنی یہ طریقہ قبل از اسلام قدیم عرب میں معروف تھا اور بعد از اسلام انحطاط وانحراف کے دور میں بھی پایا جاتا تھا اگرچہ اس کا وجود بہت کم تھا۔ فقہاء نے اس کو بیان کیا ہے اور حرام قرار دیا ہے۔

کاروبار کے لیے رقم فراہم کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو پیشگی مقرر شرح سود پر قرض دیا جائے جو کہ ان سر ٹیفیکیٹس کی حقیقی صورت ہے جس کا قانون بھی اقرار کرتا ہے اس لیے اس پر دیئے جانے والے منافع کو سود کہا گیا ہے۔ یا پھر مالکیہ کی تعبیر کے مطابق قراض اور حنفیہ کی تعبیر کے مطابق مضاربت کی جائے جو کہ شرعی شرائط پورے نہ ہونے کی وجہ سے فاسد قرار دیا گیا ہے۔ یہ معاملہ طے شدہ منافع اور سرمائے کی امانت والی حیثیت نہ ہونے کی وجہ سے جواز کے دائرہ سے نکل کر ممنوع و حرام ہو جائے گا۔

یہ بات کہ یہ چیز لوگوں اور معاشرے کے لیے سود مند ہے ایک ایسی تقریری اور تخلیقی بات ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے نہ ہی اس پر کوئی دلیل و برہان موجود ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سرکاری شعبہ کے منصوبہ جات محکمے میں کرپشن، نگرانی نہ ہونے، لوگوں کے ضمیر کے بگاڑ، رشوت، اور پھر مجرم کو سزا نہ ملنے کی وجہ سے خسارے میں جارہے ہیں۔ اگر ان اداروں کے چلانے والوں کو منصوبہ جات کے خسارے پر نقصان اور اس کے فائدے سے انعام ملتا تو ان کی حالت مختلف ہوتی۔

ہم اس دعوے کی حقیقت کو کہ ان اداروں کو خسارے کا احتمال نہیں ہے۔ پوری طرح جانتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان بڑی سرمایہ کار کمپنیوں کو کتنے ملین ڈالر سالانہ خسارہ ہوتا ہے حالانکہ یہ کمپنیاں سرکاری شعبہ میں جانے سے پہلے کئی ملین ڈالر منافع کماتی تھیں۔

یہ بات کہ جو منافع ادا کیا جاتا ہے یہ سود نہیں ہے کیونکہ اس میں ظلم اور ناجائز نفع اندوزی نہیں ہے محض ان کا دعویٰ ہے۔ یہ عین سود ہے اور قانون بھی اس کو سود کہتا ہے کیونکہ یہ سود سرمایہ دار کو ہر حالت میں ادا کیا جاتا ہے۔ چاہے پراجیکٹ نفع اٹھائے یا نقصان۔ اس کا اصل منافع کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ منافع ہو یا نہ ہو اور کم ہو یا زیادہ۔ سرمایہ دار کو پہلے سے مقرر شدہ

مقدار سے سود ادا کیا جاتا ہے۔ یہ وزارت مالیات پر ایسا بوجھ ہے جو اس کو ہر حالت میں ادا کرنا پڑتا ہے نیشنل بنک نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔ تو جب پہلے سے نفع کی ایک خاص مقدار صرف وقت کی مہلت کے بدلے مقرر کر لی جاتی ہے تو یہ یقینی طور پر سود ہے اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس پر پورے طور پر سود کی تعریف صادق آتی ہے۔

یہ دعویٰ بھی کہ اس میں ظلم اور ناجائز منافع خوری نہیں درست نہیں ہے کیونکہ ایک وقت ادارہ نقصان اٹھاتا ہے لیکن سرمایہ دار کو اس نقصان میں سے کچھ بوجھ نہیں پڑتا جبکہ کسی اور وقت ادارہ بہت زیادہ نفع حاصل کرتا ہے اور سرمایہ دار کو چند ٹکے ہی ملتے ہیں تو اسے انصاف کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اسے انصاف کہنا ایک ایسی بات ہے جس کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس پر کوئی اجماع ہوا ہے۔ یہ نصوص قطعی کے مقابل میں محض ان کی ایک رائے ہے۔

ان لوگوں کی یہ بات بھی مضحکہ خیز ہے جو کہتے ہیں کہ پیشگی مقرر کر لینے کی حرمت محض فقہاء کے اجتہادات میں سے ہے اس پر قرآن و سنت سے کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ یہ بات تو سنت اور اجماع دونوں سے ان کی جہالت پر دلالت کرتی ہے۔ سنت اور اجماع احکام شرعیہ کے لیے بنیادی مصادر میں سے ہیں ان دونوں نے پیشگی مقرر منافع کو حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کو پہلے دو صحیح حدیثوں سے ثابت بھی کیا ہے کہ مزارعت میں طرفین میں سے کسی ایک نے اپنے لیے پیداوار کا ایک خاص حصہ مقرر کر لیا یا زمین کا ایک خاص حصہ علیحدہ کر لیا یا نفع و نقصان میں سے اپنے لیے کوئی چیز مختص کر لی تو یہ حرام ہے اور فقہاء نے کہا ہے کہ مضاربت بھی مزارعت کی طرح ہے۔

اس سے زیادہ عجیب بات جو دارالافتاء کے فتوے میں ذکر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ سیونگ سرٹیفکیٹ پر جو منافع دیا جاتا ہے اگر اس کو بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ کوئی مقرر و متعین نہیں ہے کیونکہ ابتداء میں سرمائے پر چار فیصد نفع دیا جاتا تھا اب سولہ فیصد سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ اے دانشورو! کیا تم نے اس سے بھی زیادہ عجیب بات سنی ہے؟ سودی نفع تو پوری دنیا میں کبھی ایک مقدار پر نہیں رہا یہ تو ہمیشہ ہی مختلف عوامل کی وجہ سے اتار چڑھاؤ کا شکار رہا ہے۔ ان عوامل کو ماہرین اقتصادیات اچھی طرح جانتے ہیں۔ درحقیقت اگر ان کی عجیب و غریب باتیں اور تذبذب برقرار رہا تو اس سے وہ سود جو پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور جو قطعی حرام چیز ہے پھر ایک حلال چیز بن جائے گا۔

۵۔ فتوے کا آخری حصہ اپنے پہلے حصے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ پچھلی بات کے سباق سے معلوم

ہوتا ہے کہ سیونگ سر ٹیفیکٹ کا کاروبار شرعاً حلال و جائز ہے۔ جس کا مفتی صاحب نے اقرار کیا ہے اور جس کو جان بوجھ کر سرکاری ذرائع ابلاغ نے اچھالا ہے جبکہ اس فتوے کے آخر میں مفتی صاحب کہتے ہیں "ان طویل معروضات کے بعد سائل پوچھتا ہے کہ سر ٹیفیکٹ کا کاروبار اور اس کے منافع کے بارے میں دارالافتاء کی کیا رائے ہے؟"

مفتی صاحب کا جواب ہے "دارالافتاء نے نیشنل بنک کے ذمہ داران کو تجویز پیش کی ہے کہ سر ٹیفیکٹ پر جو سود ادا کیا جاتا ہے اس کو منافع کا نام دیا جائے کیونکہ لفظ سود (فائدہ) لوگوں کے ذہنوں میں شبہ پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے کہ یہ رِبٰو ہے کیونکہ اصل چیز تو معاملات کی حقیقت ہوتی نہ کہ اصطلاحی نام و الفاظ۔ اور سر ٹیفیکیٹ کی ایک اور قسم بنائی جائے جس پر نفع پیشگی مقرر نہ کیا جائے بلکہ اس پر منافع، نفع و نقصان کی بنیاد پر ہو اس طرح سب لوگوں کے لیے سرمایہ کاری کا دروازہ کھل جائے گا اور اس پر لوگوں کے ضمیر بھی مطمئن ہوں گے۔"

یہ دوسری تجویز تو قابلِ قبول ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ سر ٹیفیکٹ جس پر پیشگی نفع مقرر کر لیا جاتا ہے اس پر لوگوں کے دل مطمئن نہیں ہیں۔ اس پر وہ بات منطبق ہوتی ہے جو فتوے کے اول میں کہی گئی ہے کہ اپنے دین اور عزت کو بچانے کے لیے مشتبہات سے اجتناب کیا جائے یہی بات حدیث شریف میں ہے کہ "وہ چیز چھوڑ دی جائے جو اشتباہ میں ڈالنے والی ہو اور جس میں اشتباہ نہ ہو اس کو اختیار کیا جائے۔"

میں یہاں ایک اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ سر ٹیفیکٹ کی یہ قسم اس وقت تک شرعی لحاظ سے مکمل طور پر قابل قبول نہیں ہو سکتی جب تک اس کے منافع کو نفع و نقصان سے مشروط نہ کر دیا جائے جو اسلامی سرمایہ کاری کی بنیاد ہے۔ آخر سر ٹیفیکٹ کے تمام کاروبار کو اس شرط کے ساتھ کیوں مشروط نہیں کر دیا جاتا؟ اس طرح افراد ان منصوبہ جات اور اداروں کی نگرانی میں بھی شریک ہوں جن میں انہوں نے اپنا سرمایہ لگایا ہوا ہے اور پھر اس کے نفع و نقصان میں بھی شریک ہوں یوں وہ اچھے اداروں کا انتخاب بھی کریں گے اور ان اداروں کے چلانے والوں کا محاسبہ بھی کریں گے مجھے یقین ہے کہ قوم کی اکثریت ایسے عمل کا استقبال کرے گی۔ جس سے حرام کمائی اور حرام روزی سے بچنے اور بچوں کی تربیت حرام کے بجائے حلال سے کرنے کی وجہ سے ان کے ضمیر کو اطمینان و راحت نصیب ہو۔

جبکہ فتوے میں پہلی جو تجویز ہے اس کا آخری حصہ پہلے حصے سے مختلف ہے جیسا کہ فتوے میں بیان کیا گیا ہے کہ معاہدات میں احکام کا مدار مقاصد و مطلوب پر ہے صرف الفاظوں اور ناموں

سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو پھر کیا صرف نام تبدیل کر دینے سے اس کی حقیقت تبدیل ہو جائے گی؟ ہمیں تو احادیث نبویہ ان لوگوں سے محتاط رہنے کا حکم دیتی ہیں جو پیتے تو شراب (خمر) ہیں اور اس کو نام کوئی اور دیتے ہیں۔ سود کو بیع کے نام پر، حرام مال کو ہدیہ کے نام پر اور اسی طرح کے دوسرے رذائل و جرائم کا کسی دوسرے اچھے نام سے ارتکاب کرتے ہیں۔ اہل علم کے لیے تو یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ وہ اس شرک میں مبتلا ہوں اور نہ یہ مناسب ہے کہ نام یا عنوان تبدیل کر کے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کریں۔ جبکہ اس کی حقیقت اپنی جگہ برقرار ہو۔

اس سے بڑا احمق کون ہو گا جو چیونٹی کو دھوکہ دینے کے لیے چینی کے ڈبے پر نمک کا لیبل لگا دیتا ہے ظاہر ہے لیبل کی تبدیلی چیونٹی کو اس کی فطری حس کی وجہ سے دھوکہ نہیں دے سکتی۔ مسلمان قوم حیلہ بازی کر کے یہی کچھ کر رہی ہے حالانکہ وہ فطرتاً اور وراثتاً مسلمان ہونے کی وجہ سے حلال و حرام کو سمجھتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ اگر بلی کو آپ خود گوشت کا ٹکڑا دیں گے تو وہ اس کو آرام و سکون سے کھائے گی اور اگر وہ آپ کے ہاتھ سے چھین کر لے جائے تو وہ ڈر کی وجہ سے جلدی جلدی کھائے گی کیونکہ وہ فطرتاً جانتی ہے کہ پہلا ٹکڑا اس کے لیے حلال و جائز ہے جبکہ دوسرا ٹکڑا اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ بے شک حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی۔

محکمہ ڈاک کے بچت فنڈز پر ایک فتویٰ

محکمہ ڈاک کے بچت فنڈ کے بارے میں فتویٰ دیتے ہوئے مفتی صاحب نے شیخ شلتوت کے فتوے کا سہارا لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زید و بکر میں سے کسی عالم کے فتوے یا قول سے استدلال کرنا بلا دلیل ہے کیونکہ سوائے محمد ﷺ کے کوئی بھی شخصیت ہو اسکی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے اسی وجہ سے احادیث میں علماء کی غلط روی سے محتاط رہنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے علاوہ ایک عالم کی بات دوسرے عالم یا بہت سے علماء کی بات سے متعارض بھی ہو سکتی ہے۔ ایسے ہی مواقع کے لیے علماء نے کہا ہے کہ جب یہ صورت پیش آئے تو دونوں کے قول ساقط ہو جائیں گے اور وہ دلیل حجت ہو گی جس کی سند کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور متفق علیہ شرعی قواعد سے ہو۔

کچھ ثقہ لوگوں نے (جن میں علامہ شیخ ابو زہرہ بھی شامل ہیں) بتایا ہے کہ انہوں نے اس فتوے کے بارے میں شیخ شلتوت سے ان کی آخری زندگی میں بحث و تمحیص کی تو شیخ شلتوت

نے اس فتوے سے رجوع کا ارادہ کر لیا اور کہا تھا کہ میں اس فتوے کو فتاویٰ سے حذف کر دوں گا شیخ ابو زہرہ نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ اس فتوے کو رہنے دیا جائے اور اس پر نوٹ لکھ دیا جائے کہ انہوں نے اس فتوے سے رجوع کر لیا ہے لیکن لگتا ہے کہ موت نے شیخ شلتوت کو مہلت نہ دی جس کی وجہ سے ان کی کتاب میں اس رجوع کا ذکر نہیں ملتا۔ اب اگر ایک عالم اپنی رائے سے رجوع کر لے تو کیونکر اس کی تقلید جائز ہو گی؟

شیخ شلتوت نے اپنے قدیم فتوے میں دو چیزوں کا خیال رکھا ہے:

۱۔ محکمہ ڈاک کے ساتھ یہ معاملہ بطور قرض نہیں ہے بلکہ محکمہ ڈاک کے لیے امداد ہے تاکہ محکمہ اپنا سرمایہ ساتھ شامل کر کے زیادہ سرمایہ کاری کر سکے۔

۲۔ یہ ایک جدید معاملہ ہے۔ اس لیے اس پر وہ حکم لاگو نہیں ہو گا جو فقہاء نے قدیم معاملات اور کمپنیوں پر کیا ہے اور پھر اس میں نہ ناجائز فائدہ ہے نہ کسی پر ظلم ہے۔

اس طرح کے فتوؤں میں ایک مشکل یہ ہوتی ہے کہ ماہرین میں سے جو آدمی مسئلے کو فقیہ کے سامنے پیش کرتا ہے وہ صحیح صورت حال سامنے نہیں رکھتا اور بعض پہلوؤں کو مخفی رکھتا ہے اس طرح وہ جو کچھ اپنی چرب زبانی اور ہوشیاری سے پیش کرتا ہے مفتی اس کے مطابق فتویٰ دے دیتا ہے۔ ثقہ لوگوں نے بتایا ہے کہ محکمہ ڈاک کے پاس خود تجارت اور سرمایہ کاری کا بندوبست نہیں ہے۔ وہ تو جمع شدہ سرمایہ بنک کو دیتا ہے اور وہاں سے جو سود ملتا ہے اس کا کچھ حصہ کھاتہ داروں میں تقسیم کرتا ہے۔ اس طرح اصل میں یہ قرض بنک ہی محکمہ ڈاک کے ذریعے سے لیتا ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ حقیقت واقعہ وہ نہیں ہے جو شیخ شلتوت نے اپنے فتوے میں ذکر کی ہے کہ محکمہ ڈاک اپنے پاس جمع شدہ سرمایہ ایسی تجارت میں لگاتا ہے جہاں خسارے کا امکان اگر معدوم نہیں تو بہت کم ہوتا ہے سوال یہ ہے کہ محکمہ ڈاک کے پاس ایسی کون سی چیز ہے جس نے اسے سرکاری شعبہ کے دیگر اداروں سے ممتاز بنا دیا ہے جن کے بارے میں شکایت عام ہے اور جنہیں بیسیوں ملین سالانہ خسارہ ہوتا ہے۔

پھر شیخ نے کہا کہ یہ غلط ہے کہ بچت کھاتوں میں جو رقم جمع کرائی جاتی ہے وہ قرض ہو کیونکہ قرض اکثر اوقات طاقتور آدمی کمزور و حاجت مند پر رحم کھاتے ہوئے اس کو دیتا ہے۔ یہ وہی بات ہے جو سودی بنکاری کو جائز قرار دینے والے کہتے ہیں۔ جبکہ فقہاء بعض ایسے معاملات کو بھی قرض قرار دیتے ہیں جب کوئی طاقتور دولت مند کسی کمزور و ضرورت مند پر رحم کھاتے ہوئے یا اس کے ساتھ نیکی کرتے ہوئے نہیں دیتا۔ ان صورتوں کو ہم سودی بنکاری کی بحث کے دوران میں بھی

بیان کر آئے ہیں۔ تاہم یہاں اس کی مزید وضاحت کی جا رہی ہے۔

ابن قدامۃ نے اپنی کتاب "المغنی" میں مضاربت کے باب میں کہا ہے "اگر صاحب مال مضارب کو کہے کہ یہ مال لو اور اس سے تجارت کرو اور منافع سارا تمہارا ہوگا تو یہ قرض ہوگا نہ کہ قراض (دوسرے کے مال سے شرکت پر تجارت کرنا) کیونکہ اس کا یہ قول کہ مال لے کر تجارت کرو۔ یہ قرض اور قراض دونوں کے لیے درست ہوسکتا ہے۔ البتہ چونکہ قرض کا حکم شامل ہوگیا ہے اسی لیے اب یہ قرض ہوگا "صاحب المغنی کے مطابق" اور اگر اس کے ساتھ صاحب مال کہتا ہے "کہ تم پر مال کی ضمانت بھی نہیں ہے تب بھی یہ قرض رہے گا اگرچہ اس میں قرض کی ایک شرط (مال کی ضمانت) کی نفی کی گئی ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ اگر صراحتاً کہے کہ یہ قرض لو اور تم پر اس کی ضمانت کی ذمہ داری بھی نہیں ہے۔" (المغنی لابن قدامۃ ص ۲۹۵۔ الامام بمصر)

حقیقت میں اعتبار اصل اور مصداق کا ہوتا ہے نام اور عنوان کا نہیں ہوتا۔ اس لیے جب تک اس میں قرض والی شرائط موجود رہیں گی اس وقت تک اس پر قرض والا حکم لاگو ہوگا۔ اور شرعاً اس کو قرض ہی کہیں گے فقہاء نے چند ایسی صورتیں بیان کی ہیں جس میں قرض لینے والا محتاج و فقیر نہیں ہوتا اور مصلحت و فائدہ قرض دینے والے کا ہوتا ہے لینے والا کا نہیں ہوتا۔ کتب حنفیہ میں سے "الدر المختار" میں ہے: "کہ قاضی کسی غائب آدمی کا، وقف املاک کا، لقطہ کا، اور ایسے مالدار یتیم کا مال قرض دے سکتا ہے جس کا کوئی سرپرست نہیں ہے اور جسے کوئی ایسا آدمی بھی نہیں ملتا جو یہ سرمایہ مضاربت پر لے نہ ہی کوئی ایسا سرمایہ کار ملتا ہے جو اس کو خرید لے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین نے اپنے حاشیے میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یتیم کا مال بطور قرض دے دینا اس کے لیے بہتر ہے کیونکہ قرض لینے والا اس مال کا ضامن ہوتا ہے۔ جبکہ بنک میں جمع کی جانے والی رقم امانت ہوتی ہے۔ البتہ اس ضمن میں ضروری ہے کہ قرض لینے والوں کے حالات کا مسلسل جائزہ لیا جائے اگر ان میں سے کوئی لاپرواہی کا مرتکب ہو تو اس سے سرمایہ واپس لے لیا جائے۔ (الدر المختار . و حاشیہ ابن عابدین-رد المختار علیہ ۴۲۴/۴-۳۷۴ طبع استنبول۔)

یہ مالدار آدمی کو قرض دینے کی مثال ہے اور اس سے وقف املاک، مال لقطہ، غائب آدمی اور یتیم کے مال کا تحفظ مقصود ہے۔ اسی طرح معجم الفقہ الحنبلی میں ہے کہ یتیم کا مال بطور قرض دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس میں یتیم کے لیے کوئی فائدہ نہ ہو مثلاً یتیم اپنا مال کسی دوسرے شہر لے جانا چاہتا ہے اور وہ کسی کو قرض دیتا ہے کہ اسے مطلوبہ شہر میں جا کر ادا کرے کیونکہ اسے مال کے لٹنے یا غرق ہونے یا دوران سفر زیادہ وقت لگنے کی وجہ سے مال خراب ہونے کا

خدشہ ہے یا یہ کہ اس کے لیے نیا مال پرانے سے بہتر ہو گا جیسا کہ گندم وغیرہ ہوتی ہے اس صورت میں اس کا مقصد نقل مال میں خطرے سے بچنا ہے۔

اسی ضمن میں آگے کہا گیا ہے کہ اگر سرپرست سفر کا ارادہ رکھتا ہے اور یتیم کے مال کو ساتھ نہیں لے جا رہا تو یہ مال کسی کو بطور امانت دینے کے بجائے بہتر ہے کہ وہ بطور قرض کسی امانت دار آدمی کو دے دے کیونکہ امانت پر ضمانت نہیں ہوتی۔ (معجم الفقہ الحنبلی۔ ص ۱۰۷۶۴) چنانچہ یہ قرض صاحب مال (قرض دینے والا) کی مصلحت کی خاطر کسی محتاج کو نہیں بلکہ مالدار کو دیا جاتا ہے۔ جبکہ یتیم کا مال کسی تنگ دست و محتاج کو بطور قرض دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں مال کے ضیاع کا خطرہ ہے اسی طرح اگر قرض لینے والے کے فائدے کی خاطر دیا گیا جس میں یتیم کا کوئی فائدہ نہ ہو تو یہ قرض دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیز عطیہ کے باب میں شمار ہوتی ہے جو کہ یتیم کے مال سے دینا جائز نہیں ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ کسی مذہب کے کسی فقیہ نے یتیم کے مال سے قرض لینے والے سے زیادہ پیسے وصول کرنے کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ اگر یہ چیز کسی درجے میں بھی جائز ہوتی تو فقہاء اس بارے میں خاموش نہ رہتے۔ کیونکہ یتیم کو کہیں سے بھی حق ملتا تو وہ اس کی ادائیگی کے وجوب کی ضرور تصریح کرتے۔

قرض صرف کسی کی امداد اور ضرورت پوری کرنے ہی کے لیے نہیں ہوتا۔ اس پر بطور دلیل حضرت زبیرؓ کا واقعہ بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ان کے پاس جو آدمی بھی اپنا مال بطور امانت رکھنے آتا تو اگرچہ حضرت زبیرؓ کو ان کے پیسوں کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ پھر بھی وہ اس مال کو اس شرط پر اپنے پاس رکھتے کہ وہ اس کو بطور قرض ان کے پاس رکھے نہ کہ بطور امانت۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے "الفتح" میں کہا ہے کہ حضرت زبیرؓ کسی کا مال اس وقت تک اپنے پاس نہ رکھتے تھے جب تک وہ اس کو بطور قرض دینے پر آمادہ نہ ہوتا اس سے حضرت زبیرؓ کا مقصد یہ تھا کہ اگر خدانخواستہ یہ مال ضائع ہو جائے تو مال رکھنے والا سوچے گا کہ انہوں نے اس کی حفاظت میں کوتاہی کی ہو گی جبکہ بطور قرض رکھنے کی صورت میں اس مال کے ضائع ہونے پر آپ ضامن ہوتے۔ اس صورت میں صاحب مال کے لیے بھلائی بھی تھی اور مروت بھی۔ (الفتح الباری۔ ص ۲۳۰۶)اس کے علاوہ اس صورت میں ان کے لیے اس مال میں تصرف کرنا بھی جائز ہو جائے گا البتہ اس میں نفع و نقصان قرض لینے والے کا ہو گا جیسا کہ قاعدہ ہے۔ "الغنم بالعزم والخراج بالضمان" (کہ: فائدے کا حصول خسارے میں شرکت کی ذمہ داری سے مشروط ہے۔) ایک دلیل انہوں نے یہ بھی دی کہ

سیونگ سرٹیفکیٹ اور سیونگ ڈپازٹ قرض نہیں ہے حالانکہ محققین کے ہاں بھی اور سول لاء میں بھی یہ قرض کے نام سے معروف اور مروج ہے۔ باقی ان کی یہ بات کہ یہ ایک نیا معاملہ ہے۔ اور فقہاء کے ہاں بیع کی جو مشہور و معروف صورتیں ہیں ان کے تحت یہ داخل نہیں ہو سکتا۔ اس بات کا جواب ہم پہلے پیش کر آئے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان میں کیا نئی بات ہے جو پرانے فقہاء کے ہاں معاملات کی معروف صورتوں سے مختلف ہے۔ قدیم اور موجودہ صورتوں میں سوائے نام، شکل اور کمیت میں زیادتی یا کمی کے علاوہ کونسی جدت پائی جاتی ہے۔ نام، شکل اور کمیت میں زیادتی یا کمی کی وجہ سے اس کے حلت و حرمت کے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور یہ منطق تو بہت ہی عجیب ہے کہ کوئی معاملہ اگر فرد کا فرد کے ساتھ ہو تو وہ حرام ہے اور وہی معاملہ اگر کسی کمپنی یا زیادہ افراد کے ساتھ ہو تو حلال ہو جاتا ہے۔

سیونگ سرٹیفکیٹ کے بارے میں حکم کا خلاصہ

سرٹیفکیٹ کی "الف" اور "ب" قسم کا معاملہ یا تو سودی قرض کی طرح ہو گا جیسا کہ سرٹیفکیٹ کے لیے بنائے جانے والے قانون سے واضح ہوتا ہے اور یا ایسی مضاربت کی طرح ہو گا جس کی شرعی حیثیت شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہو گئی ہے ان دونوں احتمالی صورتوں میں یہ معاملہ حرام ہے۔ اس سے قبل بشمول ان مفتی صاحب کے سب کا یہی فتویٰ رہا ہے۔ البتہ "ج" قسم کے بانڈز میں پہلے سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ بعض علماء نے اس کو حرام بعض نے حلال قرار دیا ہے۔ جبکہ کچھ علماء اس کے حکم کے بارے میں توقف اختیار کرتے ہیں۔

میرے نزدیک دو شرطوں کا اضافہ کر دیا جائے تو یہ قسم جائز ہو سکتی ہے۔

۱۔ یہ کہ بنک اس سرمائے کو سودی کاروبار میں استعمال نہ کرے۔ سودی استعمال سے مراد یہ سرمایہ دوسروں کو سودی قرض پر دینا ہے۔ کمرشل بنکوں میں اکثر یہی سودی کاروبار ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر کوئی اس قسم کے سرٹیفکیٹ میں حصہ دار بنتا ہے تو اس کی نیت انعام لینے پر منحصر نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس نے انعام جیتنے کی نیت سے حصہ لیا تو یہ ایک طرح کی لاٹری بن جائے گی جو جوئے کی ایک قسم ہے اگرچہ ان کے درمیان معمولی سا فرق ہے۔

بہر حال اس قسم کے سرٹیفکیٹ میں جو شریک بنتا ہے وہ صرف اور صرف کسی بڑے انعام جیتنے کے چکر میں ہوتا ہے کیونکہ بنک کوئی ویلفیئر سوسائٹی نہیں کہ وہ کسی کو ایسا سرمایہ دے جو ناقابل واپسی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی تقلید ہے جن کے نزدیک

جوا حرام نہیں ہے۔ جس طرح ان کے ہاں شراب (خمر) بھی حرام نہیں ہے۔ یورپ کا اپنا دین ہے اور ہمارا علیحدہ ایک دین ہے۔ پھر کیوں نہ اقتصادیات، سیاست، نظام اور شریعت میں ہمارا ان سے ایک علیحدہ تشخص ہو؟

نظریہ ضرورت پر تنبیہ

بحث کو ختم کرنے سے پہلے چند اور اہم نکات کا تذکرہ ضروری ہے۔

ایک قاعدہ جس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ ضرورت کے لیے شریعت نے استثنائی قوانین مقرر کیے ہیں مثلاً ضرورت کے تحت بھوک کی حالت میں لوگ مردار، خون اور سور کا گوشت کھا سکتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "فمن اضطرفی مخمصه غير متجانف لاثم فان الله غفور رحيم" ترجمہ: البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھا لے بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بیشک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ۳)

تو اس طرح بحیثیت امت اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو اس استثناء کو ملحوظ رکھا جائے گا اور ایک ممنوع چیز مباح ہو جائے گی لیکن ان دونوں حالتوں میں تین چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ حقیقتاً ضرورت ثابت ہو۔ ایک صریح حرام چیز سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے محض دعوے کی حد تک نہ ہو۔ اس بارے میں اہل علم و بصیرت سے شواہد و دلائل کی روشنی میں پوچھا جائے اور اقتصادیات و مالی امور کے ماہرین ان صاحب عدل لوگوں سے دریافت کریں، جو نہ خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں اور نہ دنیا کے بدلے آخرت کو بیچتے ہیں۔ "ولاينبئك مثل خبير" اور حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار (جاننے والے) کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ (فاطر: ۱۴)

۲۔ دوسری چیز یہ کہ مجبور (مضطر) خواہ ایک فرد ہو یا حکومت، اس کے سامنے حلال راستے تلاش کرنے کے باوجود، حلال راستے بند ہوں اور ضرورت پوری کرنے کے لیے ایسے کوئی متبادل شرعی راستے موجود نہ ہوں جن کو وہ استعمال کر کے اپنی ضرورت پوری کرے اور اس بحران سے نکل سکے۔ اگر کوئی متبادل حلال راستے موجود ہیں تو حرام کی طرف رجوع کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

۳۔ ضرورت کے تحت مباح صورت اصول اور قاعدہ نہ بن جائے بلکہ یہ ایک استثنائی اور وقتی صورت ہے چنانچہ رعائت ضرورت ختم ہونے پر باقی نہیں رہتی۔ اسی لیے علماء نے اس قاعدے (ضرورت ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہے) میں ایک اور چیز کا اضافہ کیا ہے کہ "یہ چیز بقدر ضرورت مباح ہوگی" یہ قاعدہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: "فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه" ترجمہ: ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھا لے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرۃ:۱۷۳)

اردنی حکومت نے مجمع الفقہ الاسلامی کے زیر نگرانی کانفرنسیں منعقد کروائیں اور وزارت اوقاف اور اسلامی بنکوں کے ذریعے سیونگ سرٹیفکیٹ کا شرعی متبادل راستہ نکالنے کی کوشش کی ہے جو شریعت کی ضروری شرائط پوری کرتا ہے۔ جن کے تحت کام بھی شروع کر دیا گیا ہے اور مجمع الفقہ الاسلامی نے کہا ہے کہ اس نظام کو پوری دنیا میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان متبادل حلال راستوں سے استفادہ نہیں کیا جاتا۔

ایک مسلمان کیا کرے؟

اب سوال یہ ہے کہ جب متضاد فتوے جاری کیے گئے ہوں تو ایک مسلمان کیا کرے؟ کیا سرٹیفکیٹ کو حرام قرار دینے والوں کی رائے کو قبول کر لے یا حلال قرار دینے والوں کی رائے کو مانے؟ کیا سابقہ مفتیانِ کرام کی رائے کو اختیار کرے یا موجودہ مفتی کی رائے کو؟ بلکہ کیا ان موجودہ مفتی صاحب کی فروری ۱۹۸۹ء والی رائے کو قبول کرے یا ستمبر ۱۹۸۹ والی رائے کو قبول کرے۔ دوسرے الفاظ میں --- کیا آزاد مفتی صاحب کی رائے لی جائے یا اس مفتی کی جو مجبور و مقہور ہے؟

جواب ایک ہے......

وہ مسلمان جو اپنے دین کی حفاظت چاہتا ہے وہ اس رائے کو قبول کرے جو شرعی دلائل رکھتی ہو اور اگر دلائل اطمینان بخش نہیں ہیں یا دونوں طرف سے مختلف دلائل اور اقوال ہیں اور اس میں کسی طرف کے دلائل کو ترجیح دینے کی قدرت موجود نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ان اہل فتنہ

کے قول کو اختیار کرے جو تقویٰ اور علم و دین کے اعتبار سے ثقہ ہیں اور اعتدال پسند ہیں۔ کیونکہ جو آدمی فقہ کا عالم ہے وہ لاعلمی میں کوئی حکم نہیں لگاتا اور بغیر دلیل دیئے رائے نہیں پیش کرتا۔ اور متقی ہونے کی وجہ سے دوسرے لوگوں یا خواہش نفس کی پیروی نہیں کرتا۔ اور اعتدال پسند ہونے کی وجہ سے افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتا۔

قابلِ غور نکات

اس اہم موضوع پر اپنی گفتگو ختم کرنے سے پہلے مجھے بہتر محسوس ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے چند حقائق اور تنبیہات پیش کروں۔

۱۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ میں اجتہاد و تجدید پسند آدمی ہوں لیکن اجتہاد اور آزاد خیالی اور تجدید پسندی اور خود رائے ہونے میں بڑا فرق ہے۔ ہم اس اجتہاد کا خیر مقدم کرتے ہیں جو اس کے اہل لوگوں کی طرف سے ہو اور درست امور پر ہو۔ ہر کس و ناکس کے لیے اس کا دروازہ کھلا نہیں رکھا جا سکتا۔ نا اہل کی طرف سے اجتہاد کرنے کی اللہ کے دین میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ اس کو دنیا قبول کر سکتی ہے یہ بھی سب جانتے ہیں کہ میں احکام شرعیہ کی معرفت میں آسانی کا قائل ہوں۔ اصول میں میرا مسلک سخت ہے جبکہ فروع میں آسانی کا قائل ہوں۔ لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ کسی چیز میں تیسیر (آسانی پیدا کرنا) علیحدہ چیز ہوتی ہے اور احکام میں تحریف کرنا اور محکم نصوص کو دوسرے معانی پہنانا دوسری چیز ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس چیز سے بچائے۔

۲۔ میں براہ راست تنقید پسند نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ میں ان بہت سے لوگوں کو بھی جواب نہیں دیتا جو میری کتابوں یا لیکچروں کے جزئی مسائل پر تنقید کرتے ہیں اس لیے نہیں کہ میں ان کو حقیر یا کم مرتبہ سمجھ رہا ہوتا ہوں بلکہ میں اہم اور بڑے معاملات کو چھوڑ کر ان میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ ہر ایک کا اپنا نقطۂ نظر ہے جس پر وہ چل رہا ہے۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ لوگ اس قسم کے موضوع میں مشغول نہ ہوں اور اعتراض و جوابی اعتراض میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ کیونکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا وقت تعمیری کاموں میں اور امت مسلمہ کو پورے اسلام کی طرف لانے کے لیے خرچ کریں۔ لیکن حرمت سود کے متعلق اعتراضات کا جواب دینے پر امانت کو ادا کرنے، مفہوم کو درست کرنے اور شبہات

کو ختم کرنے کے لیے مجبور ہوا ہوں اور غلطی کا رد بھی کیا ہے درحقیقت اگر مندرجہ ذیل دو آیتیں میرے سامنے نہ ہوتیں تو میں خاموشی اختیار کر لیتا۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں در آں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی راہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور جو کچھ چھپاتے تھے، اسے بیان کرنے لگیں، ان کو میں معاف کر دوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔" (البقرہ: ۱۵۹، ۱۶۰)

اگر یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میرے لیے عذر ہوتا کیونکہ میرے سامنے اسلام اور مسلمانوں کے بہت سے لاتناہی فکری اور عملی مسائل حل طلب پڑے ہیں۔

۳۔ یہاں میں ایک اور بات کا ذکر کرنا اور اس کو اذہان میں بٹھانا چاہتا ہوں کہ ہم جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں اور جس کے لیے کوشش و جہاد کر رہے ہیں اور جس کے غم میں ہم اپنی زندگیاں کھپا رہے ہیں وہ کوئی ایک جزوی اقتصادی، معاشرتی یا سیاسی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ ہم یہ سب کچھ ایک عظیم ہدف تک پہنچنے کے لیے کر رہے ہیں۔ وہ اسلام جیسا عظیم ہدف ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرف کیا ہے اور جس کو ہماری دنیوی اور اخروی زندگی کے لیے محور بنایا ہے وہ ہدف یہ ہے کہ ملت اسلامیہ مکمل اسلامی رنگ میں رنگ جائے اور اس طرح زندگی گزارے جس طرح اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ ہمارا تصور حیات، عقیدہ اور اخلاق اسلامی ہو اور ہماری پوری زندگی میں حاکمیت صرف شریعت اسلامی کی ہو۔ جبکہ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ کسی ایک مسئلے کو لے لیتے ہیں اور اس کو دوسرے تمام مسائل پر اہمیت دے دیتے ہیں۔ یہ غلطی تصورِ دین اور تصورِ زندگی میں خلل کی وجہ سے ہوتی ہے یا پھر ان کے مقصد میں فتور ہوتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ اپنے بڑے بڑے مسائل کے بارے میں غور و فکر کرے۔ مثلاً امت مسلمہ کا افتراق و انتشار، پسماندگی و غربت، نوجوانوں میں بے راہ روی و آوارگی، ان میں منشیات کا پھیلنا، رشوت کا عام ہونا، اخلاق و ضمیر کا فساد، فضول چیزوں پر کروڑوں روپے خرچ کرنا، دولت کی لوٹ مار، بدامنی، حکومتی مشینری کا آزادانہ استعمال، نظر بند لوگوں پر ظلم و زیادتی، جعلی انتخابات، اسرائیل کا تسلط، دنیا پر عیسائیوں کا

غلبہ، لبنان، افغانستان، اریٹیریا کے مسائل و مشکلات اور اسی طرح اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی غرض سینکڑوں مسائل ہیں جن کے ذکر سے روزانہ اخبارات کے صفحات بھرے ہوتے ہیں جو کہ ختم ہونے میں نہیں آتے۔

دنیا اکیسویں صدی اور اس میں پیش آنے والے مسائل کے بارے میں غور و فکر کر رہی ہے مثلاً ماحولیاتی آلودگی، ایٹمی پھیلاؤ، زمینی عدم توازن، زمین پر خطرناک حد تک گرمی کا بڑھنا، یہ سوچا جا رہا ہے کہ جب دنیا اس طرح کے خطرات میں گھری ہوئی ہو تو حیاتیات اور انجینئرنگ کا انقلاب برپا کرنے کی کونسی صورت ہے۔ دنیا کل کے مسائل کے بارے میں سوچ رہی ہے اور ہم آج کے مسائل سے جان نہیں چھڑا پا رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

ہم مسائل کا مقابلہ کرنے سے آنکھیں چرا رہے ہیں۔ دینی مسائل کے بارے میں بھی ہم نے وہی رویہ اپنایا ہوا ہے جو دنیاوی مسائل کے بارے میں ہے۔ ہم نے جمہوریت کا نام اور ظاہری شکل اپنائی ہوئی ہے اور اس کی اصل اور حقیقت سے دور ہیں۔ دین کے ساتھ بھی ہم یہی حیلہ اور اسی طرح کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں کہ نام بھی مسلمانوں والے ہوں اور لیبل بھی اسلام کا ہو لیکن حقیقتاً نہ ہمیں مسلمانوں سے غرض ہے اور نہ ہم اسلام کے ساتھ مخلص ہیں۔

اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر ہم اسلامی ثقافت، اسلامی دعوت و تربیت اور اسلامی قوانین کو اپنی زندگی کا جز کیوں نہیں بناتے؟ ہم دین کو اپنی پوری زندگی میں کیوں نافذ نہیں کرتے؟ ہم نے تو دین کو اخبارات میں ہفتے میں صرف ایک صفحے، ذرائع ابلاغ میں چند منٹ، قانون میں صرف شخصی قوانین اور تعلیمی اداروں میں صرف ایک مضمون تک محدود کر دیا ہے۔ کیا اس کے بعد دین کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی؟

۴۔ جو خرابیاں پسماندہ دور اور استعماری اور طاغوتی نظام حکومت کے دور میں پیدا ہوئی ہیں وہ بہت گہری اور طویل الاثر ہیں۔ ان کی اصلاح پیوند کاری سے نہیں ہو گی بلکہ اس کے لیے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلیاں لانی پڑیں گی۔ یہاں تک کہ اس کی تمام خرابیاں ختم ہو جائیں اور اچھی چیزیں باقی رہ جائیں۔ سب سے پہلی تبدیلی تو اپنے وجود میں لانا پڑے گی۔ غلط افکار و رجحانات اور جاہلی تصورات کو تبدیل کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ ہماری زندگی کا بگاڑ اور ہماری پریشانی و غم دور کرے گا۔ یہ اللہ کی سنت ہے جس کو وہ تبدیل نہیں کرتا۔ قرآن نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ "ان اللہ

لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم" ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔ (الرعد: ۱۱)

یہ علماء، مبلغین، مفکرین، اسلامی جماعتوں اور ہر اس شخص کی، جس کو اللہ تعالیٰ نے علمی یا عملی استعداد بخشی ہے، ذمہ داری ہے کہ وہ اصلاح امت میں اپنا کردار ادا کرے۔

۵۔ اسلامی نظام اقتصاد کو نہ اسلامی شریعت سے جدا کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کو اسلامی نظام تربیت، اسلامی ثقافت، اسلامی دعوت اور اسلامی اداروں سے جدا کیا جا سکتا ہے۔ اقتصادیات اسلام کے نظام حیات کا ایک جزو ہے اور اسلامی اقتصادیات کا ایک جزو حرمت سود بھی ہے، لیکن اسلامی نظام اقتصاد صرف حرمتِ سود کا نام نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ زکوٰۃ، کفالت عامہ، اجتماعی عدل، زمین کی آباد کاری، انسانی زندگی کا نشوونما اور دنیا پر منصب خلافت کے حق میں کام کرنا، وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس کے ساتھ اسلامی اقتصادیات میں ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، سامان تعیش یا دولت کو جمع رکھنا، منافع خوری اور ظلم جیسی چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے اور خرچ کرنے میں اعتدال کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن میں اللہ کے بندوں کی اس طرح صفت بیان کی گئی ہے کہ والذين اذا انفقو لم يسرفوا ولم يقترو وكان بين ذلك قواما۔ ترجمہ: "جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول کرتے ہیں اور نہ بخل۔ بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔" (الفرقان: ٦٧)

اسی طرح ملکیت شخصی ہو یا اجتماعی اسلام نے اس پر کچھ فرائض عائد کیے ہیں۔ اسلام نے سرمائے کے حصول کے لیے، سرمایہ کاری کے لیے اور پھر اس کی حفاظت اور استعمال کے لیے شرائط و قیود وضع کی ہیں۔ قرآن میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے **وانفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه**"اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔

خلاصہ کلام

سودی بنکاری اور اس کے ساتھ سیونگ سرٹیفکیٹ اور سیونگ ڈپازٹ کے بارے میں بحث کے آغاز میں بعض مخلص دوست رازدارانہ انداز میں گویا ہوئے: اس بحث میں آپ کو حصہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام دوسروں کے لیے چھوڑ دیں۔ میں نے ان کو جواب دیا اگر یہ نصیحت جو آپ مجھے کر رہے ہیں دوسروں کو بھی کریں تو کلمۃ الحق اور اللہ کا پیغام لوگوں تک کون پہنچائے گا؟ اور پھر جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا دوسرے کے لیے کیوں پسند کروں؟ تو کہنے لگے تمہیں معلوم ہے کہ اس معرکے میں کس سے جھگڑ رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ فریق مخالف کون ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے حق بات کہنے کا عہد و پیمان لیا ہے اور خصوصاً جب شکوک و شبہات پیدا کیے جا رہے ہوں تو حق بات کہنے کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

کہا گیا تمہارے مقابلے میں حکومت اور سودی بنکوں کے پاس وسیع ذرائع ابلاغ اور وسائل ہیں اور ان کی پشت پر بین الاقوامی سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ آپ نے تو سوشلسٹ، سیکولر، منافق اور ہر اس اسلام دشمن قوت کو للکارا ہے جو اسلامی دعوت اور اسلامی بیداری کی لہر کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ میں نے کہا کہ میں یہ سب اچھی طرح جانتا ہوں اس سے تو میرا ایمان اور بڑھ گیا ہے اور اپنے موقف پر اور زیادہ ڈٹ گیا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں سے ملنے کا شرف بخشے گا جن کے بارے میں کہا گیا ہے: "الذین یبلغون رسلت اللہ و یخشونہ ولا یخشون احداً الا اللہ و کفی باللہ حسیباً" ترجمہ: جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور ایک خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور محاسبہ کے لیے بس اللہ ہی کافی ہے۔ (الاحزاب: ۳۹)

کہا گیا وہ لوگ تمہاری شخصیت کو مسخ کرنے کی کوشش کریں گے اور تمہارے پیچھے ان حاسد اور زر خرید اہل قلم کو لگا دیں گے جو اپنے آپ کو روشن خیال اور تمہیں دقیانوسی خیال کرتے ہیں

وہ تمہارے دین کے بارے میں بھی الزامات لگانے سے گریز نہیں کریں گے جو کہ تمہارے لیے باعث فخر و شرف ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو میرا جواب تھا "ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا" یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں (حج ۳۸:) اس راہ میں تو اللہ کے رسولوں کو ایذا پہنچائی گئی اور انہیں برے القاب سے پکارا گیا لیکن اللہ نے ان کی مدد کی، وہ کامیاب ہوئے اور ان کے دشمن رسوا اور ناکام ہوئے۔ مجھے بھی کئی بار ظالم اور طاغوت نے تکلیف پہنچائی لیکن جلد ہی غالب اور طاقتور ذات نے ان پر ایسی گرفت کی کہ ان کے نام و نشان مٹ گئے اور ہم زندہ و سلامت رہے۔

یہ بحث شروع ہونے کے چند ہفتوں بعد میرا ایک ساتھی، بائیں موقف رکھنے والے رسالوں میں سے ایک رسالہ ہاتھ میں پکڑے میرے پاس آیا جس میں ان لوگوں کو گالیاں دی گئی تھیں جو اسلامی بنکاری کے سلسلے میں تعاون کر رہے ہیں اور ان پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ یہ لوگ درپردہ پیسے بٹور رہے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ اب انہوں نے اپنے اصل مقصد سے پردہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے کوآپریٹو سوسائٹیز کے بعد صحیح طور پر اسلامی بنکاری پر وار کیا ہے اور اگر یہی جرم ہے تو انہوں نے مجرم کو بجا طور پر پکڑا ہے۔

میں یہاں وضاحت کر دوں کہ سود کے بارے میں میرا موقف بہت پہلے سے واضح ہے۔ اس کو میں نے اپنی کتاب "الحلال والحرام فی الاسلام" میں بیان کر دیا تھا اور میں اب بھی اسی موقف کو دہراتا ہوں جو آج سے تقریباً تیس سال قبل مشہور ازھری عالم دین اور مجلّہ "الازھر" کے مدیر اعلیٰ شیخ عبدالرحیم فودہؒ کے سامنے تھا میں نے ان کو اپنی کتاب تحفتاً بھیجی تھی جب میری ملاقات ان سے جامعہ ازھر میں ہوئی تو کہنے لگے میں آپ کو دو مرتبہ مبارک باد پیش کرتا ہوں ایک دفعہ تو فقہ کی کتابوں سے منفرد اسلوب اپنانے پر اور دوسری دفعہ اس لیے کہ آپ نے سیونگ ڈپازٹ کے بارے میں شیخ الازھر شیخ شلتوت کی آراء سے اتفاق نہیں کیا۔

اس پر میں نے کہا کہ جو آدمی شیخ شلتوت کی پوجا کرتا ہے اسے جان لینا چاہیے کہ شیخ شلتوت پر ایک دن موت آنی ہے اور جو آدمی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات ہے۔ پھر یہ کہ شیخ شلتوت نے مجھ سے یا کسی اور سے یہ مطالبہ تو نہیں کیا کہ ان کی تقلید کی جائے اور وہ یہ مطالبہ کیسے کرتے جب کہ وہ خود اجتہاد کے داعی ہیں اور بالفرض وہ اگر مجھ سے یہ مطالبہ کرتے بھی تو میں ان کی یہ بات ماننے کو ہرگز تیار نہ ہوتا۔ پھر میں نے شیخ عبدالرحیم کو کہا کہ میں نے اگر آج کے شیخ شلتوت سے اختلاف کیا ہے تو کل (ماضی) کے شیخ شلتوت سے اتفاق بھی

کیا ہے اور اگرچہ ایک مجتہد، زمان، مکان، عرف عام اور حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اپنی رائے اور فتویٰ تبدیل کر سکتا ہے مگر میری رائے کے مطابق شیخ شلتوت کی پرانی رائے اس نئی رائے سے زیادہ قوی و مضبوط ہے۔

میں نے سود کے بارے میں شیخ شلتوت کی پرانی رائے سورہ آل عمران کی تفسیر میں اس وقت پڑھی تھی جب مجھے اور برادر ڈاکٹر احمد العسال کو جامعہ ازھر میں "الثقافة الاسلامیه" کے مدیر عام پروفیسر ڈاکٹر محمد البھی نے شیخ شلتوتؒ کی کتابوں کی اشاعت کی نگرانی سونپی تھی اور میں نے ان کی یہ رائے اپنی کتاب "شريعة الاسلام صالحة للتطبيق فى كل زمان و مكان" (اسلامی شریعت ہر دور میں قابل نفاذ ہے) میں ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے ذکر کی تھی جو کہتے ہیں کہ اس زمانے میں اسلامی شریعت کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔ اس بات کو شیخ شلتوت نے بھی اللہ کے مقابلے میں جرأت اور بغیر علم کے بات کرنے سے تعبیر کیا تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی بات کو شیخ شلتوت صاحب کی ہی رائے پر ختم کریں جو انہوں نے نہایت واضح انداز میں اپنی تفسیر میں بیان کی ہے، لکھتے ہیں:

"بعض لوگوں کی رائے ہے کہ آج کے زمانے میں سود ایک عام معاملہ بن گیا ہے۔ اقتصادیات میں اس کی بنیادی حیثیت ہے۔ بنک اور سرمایہ کار کمپنیاں جن کے بغیر مسلمان نہیں رہ سکتے ہیں سب سودی لین دین کرتے ہیں اس لیے اس رائے میں مسلمانوں کے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے کہ سود کو ختم کر دیا جائے ہم غیر سودی لین دین کے نتیجے میں دنیا سے کٹ کر رہ جائیں گے۔ غیر ملکی مالی اداروں سے معاملات نہیں کر سکیں گے جن سے سارے ملک فائدہ حاصل کرتے ہیں پھر اس وقت تمام ممالک اور قومیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم ایک ایسا راستہ اختیار کریں جس کو دوسرے اختیار کرنے پر تیار نہ ہوں۔ ملکوں کی ترقی اور شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں میں سرمایہ جمع کرنے کے لیے کشش پیدا کی جائے تاکہ ایسی جگہ سرمایہ کاری کی جائے جہاں سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچے۔

حکومت اکثر عوام سے یا دوسری حکومتوں سے متعین سود کی ضمانت پر سرمایہ حاصل کرتی ہے اس طرح ناکارہ پڑا ہوا سرمایہ جمع ہو جاتا ہے اور حکومت اس سے سرمایہ کاری کر کے منافع کماتی ہے جس سے ملک و قوم ترقی کرتی ہے۔

یہ کہتے ہوئے ان لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام میں حرمت سود، جدید تہذیب و تمدن تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ جس کی وجہ سے ہم مادی طور پر اور نتیجتاً ادب و ثقافت کے میدان میں

کمزور ہو جائیں گے۔ چنانچہ استعمار ہم پر غالب آ جائے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ضرورت مند اگر اپنی ضرورت پوری کرنے اور بھوک و ہلاکت کو ختم کرنے کے لیے سود پر قرض لیتا ہے تو کوئی صاحب عقل آدمی اسے نقصان دہ نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ اس میں تو ضرورت مند کے لیے بھلائی اور فائدہ ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اسلامی شریعت نے بہت سے ایسے معاملات کو جائز قرار دیا ہے جن میں تھوڑی ادائیگی کر کے مستقبل میں زیادہ حاصل کیا جاتا ہے مثلاً بیع سلم۔ اگر شریعت میں بیع سلم جائز ہے تو سود بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ دونوں ایک قسم کے معاملات ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب سے جدید تمدن نے مسلمانوں کو اپنے پنجوں میں دبوچا ہے اس وقت سے اس موضوع کو بہت اچھالا گیا ہے اور اس نے افکار کو متاثر کیا ہے۔ اہل تشکیک نے مسلسل کوشش کے ذریعے ہر زمانے میں اسلام نافذ کرنے کی صلاحیت اور اللہ کے دین کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ معاملہ صرف سود کا یا مالی معاملات کا نہیں ہے۔ یہاں مسئلہ پوری اسلامی شریعت کا ہے۔ مسلمانوں نے اس سے انحراف کیا ہے اور غالب قوموں کے قوانین و تہذیب کو اپنا لیا ہے مغلوب قوموں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ غالب قوم کی تقلید کرنے کی دلدادہ ہوتی ہیں اور غالب قوم کے کاموں کو بہتر اور اچھا خیال کرتی ہیں شیطان دھوکے سے ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ جب تک وہ اپنے قواعد، اصول اور آداب و تقالید چھوڑ نہیں دیتیں اس وقت تک ترقی و کامیابی حاصل نہیں کر سکتیں۔

چنانچہ آج اگر اسلام غالب دین ہوتا تو اسلامی شریعت کی اتباع کی جاتی۔ اور قوموں کے پاس وہ عملی وسائل ہوتے جو انہیں سود اور اسلام کی دوسری حرام کردہ چیزوں سے بے نیاز کر دیتے۔ آخر آمدنی کے دیگر ذرائع مثلاً زراعت، صنعت و حرفت، تجارت اور تعاون باہمی کے ادارے وغیرہ موجود ہیں ار یہ روزگار کے فطری ذرائع ہیں۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ کوئی قوم آپس کے تعاون کی بنیاد پر تمدن اور معاشرت قائم نہیں کر سکتی یا غریب و محتاج کو قرض حسنہ دے کر اس کی مدد نہیں کر سکتی اور ایسا نظام تشکیل نہیں دے سکتی جس میں مستحقین کی کفالت کی جائے نیز متوسط طبقے کے شہریوں پر بوجھ نہ ڈالا جائے اور نہ غلط طریقے سے ان سے مال حاصل کیا جائے"

شیخ شلتوت پھر کہتے ہیں کہ "ہم پر واجب ہے کہ ان معاملات میں ہم بہت زیادہ محتاط رہیں۔ کیونکہ ان نئے معاملات کو صحیح قرار دینے کے خواہش مند بعض محققین غور و فکر کے بعد کوشش کر رہے ہیں کہ جدید معاملات (بنکاری کے سود وغیرہ) کو اسلامی فقہ میں سے کوئی صورت نکال کر انہیں

جائز قرار دے دیا جائے۔ اس طرح کی کوشش کرتے ہوئے کسی نے کہا کہ قرآن نے تو اس سود کو حرام قرار دیا ہے جو دگنا چوگنا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اضعافاً مضاعفة" تو قرآن میں حرمت سود کے لیے جو شرط لگائی گئی ہے کہ وہ سود حرام ہے جو دگنا چوگنا ہو تو اس کا کوئی فائدہ ہونا چاہیے ورنہ اس شرط کا لانا بے مقصد ہو گا حالانکہ ان بے مقصد باتوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک و بلند ہے۔ اس لیے سود جب تک دگنا چوگنا نہ ہو اس وقت تک وہ جائز ہے ورنہ ان کے خیال کے مطابق اس آیت کا کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا۔

لیکن ان کا یہ قول باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ قول "اضعافاً مضاعفته" ان کے اس برے کام کی تشہیر اور اس پر زجر و توبیخ کے لیے لائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اس قول میں بھی ویسا ہی اسلوب ہے جیسا کہ آیت "ولا تکر هوا فتیا تکم علی البغاء ان اردن تحصناً لتبتغوا عرض الحیاة الدّنیا" اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں۔ (النور:۳۳)

تو اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ لونڈیوں کو جبراً زنا پر مجبور کرنا حرام ہے اگر وہ اس سے بچنا چاہتی ہوں، اور اگر ان کا ارادہ پاک دامنی کا نہ ہو تو پھر یہ فعل جائز ہے۔ بلکہ اس اسلوب سے ان کے اس برے فعل کی تصویر کشی اور اس کی تشہیر مقصود تھی کہ تم نے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ تم لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرتے ہو حالانکہ وہ اس سے بچنا چاہتی ہیں تو سرداروں کا اپنی لونڈیوں کے ساتھ یہ سلوک نہایت نامناسب ہے۔ اسی طرح سود کی آیت میں کہا گیا ہے کہ تم نے سود کو اس حد تک حلال سمجھ لیا ہے کہ دگنا اور چوگنا کھا رہے ہو اس سے باز آ جاؤ۔ سود کے بارے میں دوسرے مقامات پر جو ممانعت آئی ہے وہ صراحت کے ساتھ اور بغیر کسی شرط کے آئی ہے۔ سود تھوڑا ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم کرنے کا وعدہ کیا ہے اور اسی طرح احادیث میں سود لینے والے اور دینے والے اور اس کے کاتب اور اس پر گواہی دینے والے سب پر اللہ کی لعنت کی گئی ہے، جس نے سود نہ چھوڑا اس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ہے اور اس کو بہت ہی ناپسندیدہ ظلم قرار دیا گیا ہے۔ تو یہ سب باتیں بغیر کسی قید و شرط کے ہر طرح کے سود کے لیے کہی گئی ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ بحیثیت قوم ہمیں اس کی ضرورت ہے اس لیے یہ جائز ہے ان کے بقول امت کی اقتصادی بھلائی سودی معاملات پر موقوف ہے اور اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو دوسری قوموں کے مقابلے میں ان کے حالات خراب ہو جائیں گے اس لیے اس وقت

سود "تبیح المخظورات" (ضرورت ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہے) کے قاعدے کے تحت جائز ہو گا۔ درحقیقت یہ بھی ان کا مغالطہ ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ امت کی بھلائی اس معاملے پر موقوف نہیں ہے یہ صرف ان کا ایک وہم و خیال ہے یہ تو غالب و قوی قوموں کے نظام کے سامنے کمزوری دکھانے والی بات ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ کوشش جو اسلامی تشخص سے انحراف اور مغربی یا موجودہ حالات کا دفاع کرتے ہوئے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے یا اس کی تاویل کرنے کے لیے کی جائے گی اللہ عزوجل کے مقابلہ میں جرأت کے مترادف ہو گی اور یہ بات اسلامی اصولوں سے جہالت اور دین اور ایمان میں کمزوری کا نتیجہ ہے۔

ہم نے تو سنا ہے کہ بعض لوگ علی الاعلان زنا کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ امت کو بہت بڑے شر سے بچا رہے ہیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اگر یہ دروازہ بند کر دیا جائے تو معاشرے میں خفیہ طور پر زنا پھیل جائے گا۔ مسلمان اسی طرح ایک کے بعد دوسرے حکم الٰہی سے جان چھڑاتے رہے تو ان کے پاس اسلامی شخصیت کے بچاؤ کے لیے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ذلت اور دوسرے فتنوں سے پناہ میں رکھے آمین (شیخ محمود شلتوت کی پہلے دس پاروں کی تفسیر۔ تفسیر القرآن الکریم۔ ص ۱۴۸ - ۱۵۴)

ضمیمہ جات

ضمیمہ نمبر ۱

مجمع البحوث الاسلامیۃ کے اجلاس کی قرارداد

محرم ۱۳۸۵ھ مطابق مئی ۱۹۶۵ء مجمع البحوث الاسلامیۃ کا دوسرا اجلاس قاہرہ میں منعقد ہوا۔
اجلاس میں ۳۵ اسلامی ممالک کے مندوبین اور نمائندوں نے شرکت کی یہ ادارہ جس نصب العین کے لیے کوشاں ہے اس کے راستے میں یہ اجلاس ماضی کے لیے انتہاء اور جدید دور کے لیے ابتداء ثابت ہوا۔ ادارہ کا نصب العین ثقافت اسلامیہ کے بنیادی اصولوں کی نشر و اشاعت، ان کا معاشرے میں تعارف کرانا اور ان کو اس طرح اجاگر کرنا ہے کہ وہ اپنی اصلی اور صحیح صورت میں برقرار رہیں یعنی ان میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو نیز قرآن و سنت کی روشنی میں اسلام کے بنیادی اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے مسلمانوں کی زندگی کی مشکلات کے حل کے لیے کام کرنا بھی اس (ادارہ) کا مقصد اور نصب العین ہے۔
مختلف اسلامی ممالک سے تعلق رکھنے والے علماء کرام ادارے کے دوسرے اراکین کے ساتھ اس اجلاس میں شریک ہوئے، اجلاس میں مختلف ممالک میں مسلمانوں کی زندگی کی مشکلات پر غور و خوض کیا گیا اور ان پر مختلف تحقیقی مقالے پیش کیے گئے جن پر بحث و تمحیص ہوئی۔
ہم ذیل میں اس کانفرنس کی قراردادوں میں سے صرف وہ باتیں پیش کریں گے جو اتفاق رائے سے بنکاری نظام کے بارے میں کہی گئی تھیں۔

۱۔ قرض کی تمام اقسام پر طے شدہ منافع حرام قرار دیا ہوا سود ہے چاہے وہ صرفی قرض ہو یا پیداواری قرض۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کی حرمت کے بارے میں کتاب و سنت میں واضح نصوص موجود ہیں۔

۲۔ سود تھوڑا ہو یا زیادہ حرام ہے۔ جس طرح قرآن پاک میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے ایمان والو سود مت کھاؤ دو گنا چوگنا"

۳۔ سود پر قرض لینا اور دینا حرام ہیں اور کہ ضرورت کی وجہ سے حلال نہیں کہا جاسکتا اگرچہ

مجبوری کی بنا پر سود پر قرض لینے والا گناہ گار نہیں ہو گا (لیکن اس سے سود جائز نہیں ہو جائے گا وہ حرام ہی رہے گا) یہ امر بھی واضح رہے کہ ہر آدمی قرض لینے کے لیے اپنی ضرورت کا تعین خود کر سکتا ہے۔

۴۔ بنکوں کی خدمات میں سے چند معاملات مثلاً کرنٹ اکاؤنٹ، چیک کیش کرانا، لیٹر آف کریڈیٹ جاری کرنا اور بنک ڈرافٹ جو کاروباری حضرات اور بنکوں کے درمیان لین دین کے لیے استعمال ہوتے ہیں، جائز ہیں چنانچہ ان پر جو کچھ اخراجات (harges) وصول کیے جاتے ہیں وہ سود شمار نہیں ہوں گے۔

۵۔ فکسڈ ڈپازٹ(Fixed deposit)اور بچت کھاتے (Saving Account) اور قرض کی دوسری تمام اقسام جن پر نفع حاصل ہو وہ سودی لین دین میں شمار ہوں گی جو کہ حرام ہیں۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کا دوسرا اجلاس مذکورہ قرار دادوں اور سفارشات کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ اجلاس میں دیگر مختلف وفود کے علاوہ اس ادارہ کے درج ذیل اراکین نے شرکت فرمائی۔

۱۔	جناب الامام الاکبر حسن مامون	مصر	شیخ الازھر
۲۔	ڈاکٹر ابراہیم عبدالمجید اللبان	مصر	دارالعلوم قاہرہ
۳۔	ڈاکٹر اسحٰق موسیٰ الحسینی	فلسطین	پروفیسر امریکن یونیورسٹی
۴۔	ڈاکٹر سلیمان حزین	مصر	ڈائریکٹر اسیوط یونیورسٹی
۵۔	ڈاکٹر عبدالحلیم محمود	مصر	ڈین فیکلٹی آف اصول الدین
۶۔	پروفیسر عبدالحمید حسن	مصر	پروفیسر دارالعلوم قاہرہ
۷۔	جناب عبدالرحمٰن	مصر	سابق ترجمان جامعہ الازھر
۸۔	جناب عبدالرحمٰن القبلود	لیبیا	سابق وزیر عدل و انصاف
۹۔	استاد عبداللہ کنون	شام	سابق گورنر طنجہ اور پروفیسر شام یونیورسٹی
۱۰۔	ڈاکٹر عثمان خلیل عثمان	مصر	پروفیسر قانون جامعہ قاہرہ
۱۱۔	ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر	مصر	ڈین شریعہ فیکلٹی جامعہ قاہرہ
۱۲۔	علی الخفیف	مصر	پروفیسر قانون جامعہ قاہرہ
۱۳۔	جناب علی عبدالرحمٰن	سوڈان	سابق وزیر داخلہ
۱۴۔	جناب محمد احمد ابوزھرۃ	مصر	سابق پروفیسر قانون جامعہ قاہرہ
۱۵۔	جناب محمد احمد فرج السنہوری	مصر	سابق وزیر اوقاف

۱۶۔ ڈاکٹر محمد البہی	مصر	سابق وزیر اوقاف
۱۷۔ ڈاکٹر محمود حب اللہ	مصر	سیکریٹری جنرل المجمع البحوث الاسلامیہ
۱۸۔ پروفیسر محمد خلف اللہ	مصر	ترجمان جامعہ عین الشمس
۱۹۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ العربی	مصر	سابق ڈین علوم اسلامیہ جامعہ قاہرہ
۲۰۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ ماضی	مصر	ترجمان جامعہ ازہر
۲۱۔ جناب محمد علی السایس	مصر	سابق ڈین اصول الدین
۲۲۔ جناب محمد فاضل بن عاشور	تیونس	مفتی تیونس اور پرنسپل جامعہ زیتونہ
۲۳۔ ڈاکٹر محمد معدی علام	مصر	ٹیکنیکل ایڈوائزر وزارت ثقافت
۲۴۔ جناب محمد نورالحسن	مصر	سابق ترجمان جامعہ الازہر
۲۵۔ جناب ندیم الجسر	لبنان	مفتی طرابلس اور شمالی لبنان
۲۶۔ پروفیسر وفیق القصار	لبنان	ڈین شریعہ

اختصار کی وجہ سے دیگر تمام شرکاء کے اسماءِ گرامی ذکر نہیں کیے گئے۔

ضمیمہ نمبر ۲

مؤتمر اسلامی کی کونسل کی قرارداد

مؤتمر اسلامی کے قاہرہ میں منعقدہ اجلاس (۱۰ ربیع الثانی تا ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۲-۲۸ دسمبر ۱۹۸۵ء) سے ادارہ فقہ اسلامی کی مجلس نے بہت سے نتائج اخذ کیے۔

جدید بنکاری کے متعلق اجلاس میں مختلف تحقیقات پیش کی گئیں ان پر غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ سودی بنکاری عالمی اقتصادی نظام کے لیے نقصان دہ چیز ہے بالخصوص تیسری دنیا کے ممالک پر اس نے غلبہ حاصل کر رکھا ہے۔

غور و خوض کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس نظام کی سب سے بڑی خرابی سود کی حرمت سے اعراض کرنا ہے جبکہ قرآن پاک میں واضح طور پر اس کے حرام ہونے کے بارے میں فرمایا گیا ہے اس سے توبہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کُل زر بغیر کسی زیادتی یا نقصان کے واپس لینے کا حکم دیا گیا ہے اور سود خوروں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہمیشہ کی جنگ کا چیلنج دیا گیا ہے۔

قرارداد

۱- ایسے قرض پر ہر قسم کا اضافہ جس کی مدت پوری ہو چکی ہو اور مقروض مقررہ مدت میں ادا کرنے سے عاجز ہو شرعی طور پر حرام ہے اسی طرح اگر نفع معاہدہ کے شروع میں ہی طے ہو، وہ بھی حرام ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں یہ زیادتی والا سود ہے۔

۲- سود کے متبادل کے لیے ضروری ہے کہ گردش زر اور اقتصادی ترقی میں معاونت کا ضامن ہو اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہو اور اس کا لین دین احکام شرعی کے مطابق ہو، خاص طور پر تمام احوال میں اسے مجلس کی طرف سے جاری کیے گئے فتوے کے مطابق ہونا چاہیے جسے اسلامی بنک عملی میدان میں بروئے کار لا سکیں۔

۳۔ مجلس نے قرارداد پاس کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی ممالک کو اسلامی بنکاری کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور ہر اسلامی ملک میں ان کے قیام کے لیے کوشش ہونی چاہیے تا کہ مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے اور کوئی مسلمان حقیقی زندگی اور اپنے عقیدہ کے تقاضوں میں تناقض محسوس نہ کرے۔

ضمیمہ نمبر ۳

رابطہ عالم اسلامی کی کونسل کی قرارداد

مجمع الفقہی الاسلامی کا نواں (۹) اجلاس (۱۲ تا ۱۷ رجب ۱۴۰۶ھ) مکہ مکرمہ میں واقع رابطہ عالم اسلامی کے مرکز میں منعقد ہوا۔ سودی بنکاری کے پھیلاؤ، لوگوں کا اس کے ساتھ لین دین اور اس کا متبادل مہیا نہ ہونا کے موضوع کو جناب سیکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی (نائب صدرِ مجلس) نے اجلاس کے سامنے پیش کیا۔

مجلس کے معزز اراکین نے اس انتہائی اہم مسئلہ پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جس کی وجہ سے ایک آدمی ایسے حرام کا ارتکاب کرتا ہے جو کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے اور اس کے کبیرہ گناہ ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے درحقیقت یہ سات کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔ قرآن شریف نے اس کے مرتکب کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ فرمایا ہے۔ یایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین. فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ و ان تبتم فلکم رءوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (البقرۃ ۲۷۸-۲۷۹)

مسلم شریف میں حضور نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے سود کھانے والے، کھلانے والے نیز اس کے کاتب اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب برابر ہیں۔"

ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے کہ "جب کسی بستی میں زنا اور سود ظاہر ہو جائیں

تو گویا انہوں نے اپنے آپ یا اپنی جانوں پر اللہ کا عذاب نازل کروالیا۔"

جدید اقتصادی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سود دنیا کے اقتصادی نظام، سیاست، اخلاقیات اور سلامتی کے لیے خطرناک ہے اور تمام عالم کو جن مسائل اور بحرانوں کا سامنا ہے ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس مرض خبیث (سود) کو اسی طرح جڑ سے اکھیڑنا ہوگا جس طرح اسلام نے چودہ صدیاں پہلے کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان دوبارہ اپنے آپ پر اعتماد کرنے لگے ہیں اور ان میں اپنا تشخص اجاگر کرنے کی خواہش پیدا ہو چکی ہے یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ ان میں دینی اور مذہبی حمیت بیدار ہو گئی ہے۔ مغربی تہذیب اور سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلہ میں ذہنی پستی اور احساس کمتری کی وجہ سے جو شخص قطعی نصوص سے ثابت شدہ حرام چیزوں کو زبردستی حلال ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا اب وہ ان افکار سے رجوع کر رہا ہے اور اپنا تشخص قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے اسلامی ممالک اور دوسرے ممالک میں اقتصادیات کے موضوع پر منعقدہ اجلاسوں اور سیمیناروں میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ سود کی حرمت پر اجماع ہو چکا ہے اور ان اجتماعات نے لوگوں پر یہ ثابت کردیا ہے کہ سود کے متبادل اسلامی طریقہ پر بنک اور ادارے چلائے جا سکتے ہیں۔

سود اور شرعی ممنوعات سے پاک اسلامی بنکوں کے قیام کا مبارک عملی اقدام اُٹھایا جا چکا ہے۔ یہ بنک ابتداء میں تو بہت تھوڑے تھے لیکن بہت جلد ان میں اضافہ ہوا ہے اور اب ان کی تعداد اسلامی ممالک اور غیر اسلامی ممالک میں ۹۰ سے زیادہ ہو چکی ہے۔

اس کے ساتھ ملحدین اور جدت پسند لوگوں کے اس دعوے کی نفی ہو جاتی ہے کہ اقتصادی میدان میں شریعت اسلامی کا نفاذ محال ہے کیونکہ اقتصادی نظام بنکوں کے بغیر ممکن نہیں ہے اور بنک سود کے بغیر نہیں چل سکتے۔

مجلس نے جو قرارداد پاس کی ہے وہ درج ذیل ہے:

۱۔ تمام مسلمانوں کو سود کے لین دین اور اس کی کسی صورت میں معاونت سے، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اجتناب کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ان کے خلاف اعلان جنگ ہو جائے۔

۲۔ مجلس اسلامی بنکوں کے قیام کو اس لحاظ سے قابل تحسین خیال کرتی ہے کہ یہ سودی بنکوں کے متبادل ہیں اور ہر بنک اپنے بنیادی نظام کو اسلامی شریعت کے تمام احکام کی پابندی پر متعین کرتا ہے اس کی انتظامیہ شرعی احکامات کی پابندی کرتی ہے۔ مجلس مسلمانوں کو ہر

جگہ ان بنکوں کی معاونت کی دعوت دیتی ہے اور متوجہ کرتی ہے کہ مسلمان ان بنکوں کے خلاف کیے جانے والے منفی پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں۔

مجلس تمام اسلامی ممالک میں ان بنکوں کے قیام میں اضافہ کو ضروری قرار دیتی ہے یہاں تک کہ مکمل اسلامی اقتصاد کے لیے ان بنکوں سے ایک مضبوط سلسلہ وجود میں آجائے۔

۳۔ جب ایک مسلمان کو اسلامی بنک میسر ہو تو بغیر کسی عذر کے سودی بنک کے ساتھ اس کا لین دین حرام ہے چاہے یہ لین دین اپنے ملک میں ہو یا دوسرے ممالک میں اس پر واجب ہے کہ وہ خبیث یعنی ناپاک کے بدلے طیب یعنی پاک چیز کو لے اور حلال چیز میسر ہونے کی وجہ سے حرام سے اجتناب کرے۔

۴۔ مجلس اسلامی ممالک کے ذمہ دار افراد اور ان میں سودی بنکوں کے قائم کرنے والے حضرات کو دعوت دیتی ہے کہ ان (بنکوں) کو سود کی ناپاکی سے پاک کرنے کا اچھا اقدام کریں اور اس طرح اپنے رب تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کریں۔ اللہ نے فرمایا ہے "باقی ماندہ سود کو چھوڑدو اگر تم مومن ہو"۔ اس طرح اپنے معاشروں کو سامراجی قوانین کی باقیات اور اقتصادیات سے نجات دلانے میں ان کا حصہ ہوگا۔

۵۔ سودی منافعوں سے جو مال حاصل ہو وہ شرعاً حرام ہے اور کسی مسلمان کے لیے اس سے اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرنا اپنے زیر کفالت افراد کی پرورش کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ سودی منافع کو مفاد عامہ کے کاموں پر صرف کر دیا جائے جیسا کہ مدارس اور ہسپتال وغیرہ۔ یہ سرمایہ صدقہ شمار نہیں ہوگا بلکہ یہ تو بس حرام مال سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔

تقویٰ کے طور پر سودی بنکوں میں اپنے منافع (سود) چھوڑ دینا جائز نہیں ہے بلکہ اس سے گناہ زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت سود کے نکلوانے کے کیونکہ اس (سود کی رقم) سے نصرانی اور یہودی نصرانیت اور یہودیت کے فروغ کے لیے ادارے قائم کرتے ہیں اور یہ اموال اور رقوم مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں اور مسلمانوں کی اولاد کو اپنے عقیدے سے گمراہ کرنے کے کام آتی ہیں۔ بہر صورت ان سودی بنکوں کے ساتھ مسلسل لین دین منافع کے ساتھ یا بغیر منافع کے کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

اسی طرح مجلس، اسلامی بنکوں کے قائم کرنے والے افراد سے مطالبہ کرتی ہے کہ ان (بنکوں)

کو چلانے کے لیے صالح اور نیک مسلمان منتخب کیے جائیں ان میں احکام اسلام اور اس کے آداب کا شعور پیدا کرنا چاہیے نیز ان میں دین کے سمجھنے کی صلاحیت ہونی چاہیے تاکہ ان کے معاملات اور ان کے تصرفات اسلامی احکام کے مطابق ہوں۔

ضمیمہ نمبر ۴

اسلامی بنکوں کے لیے کویت میں منعقدہ اجلاس کی سفارشات

(۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء)

ہم یہاں صرف پہلی چھ سفارشات کا ذکر کریں گے:

۱۔ اجلاس نے اس بات کی توثیق کی کہ مغربی ماہرین اقتصادیات کی اصطلاح میں جو چیز سود کہلاتی ہے اور جو اس سے ملحق ہے وہ ربٰو ہے اور شرعی طور پر حرام ہے۔

۲۔ یہ اجلاس صاحب ثروت اور مالدار مسلمانوں سے سفارش کرتا ہے کہ وہ اول تو اپنی رقوم عرب ممالک اور بلاد اسلامیہ میں واقع اسلامی بنکوں، اداروں اور کمپنیوں میں جمع کرائیں اس کے بعد باہر دوسرے ممالک کی طرف رجوع کریں اور جب تک اس پر عمل نہیں ہوتا اس وقت تک حاصل ہونے والے منافع حرام کمائی تصور ہوں گے جن سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ منافع خود استعمال نہ کیا جائے لیکن یہ مسلمانوں کے رفاہ عامہ کے کاموں میں لگائے جاسکتے ہیں۔

سودی بنکوں اور اداروں میں رقوم جمع کراتے رہنا شرعی طور پر جرم ہے چاہے عملی طور پر سود سے گریز بھی کیا جائے۔

۳۔ یہ اجلاس اسلامی بنکوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کرنے اور ان بنکوں کے قیام میں اعانت کی سفارش کرتا ہے تاکہ تمام سطحوں پر ان کے فوائد عام ہو جائیں۔

۴۔ اجلاس اسلامی بنکوں کے آپس میں ہر سطح پر بھرپور تعاون کو فروغ دینے کی سفارش کرتا ہے اور خاص طور پر اسلامی ممالک کے مشترکہ بنک کے قیام کے لیے آپس میں تعاون کرنے کی بھی سفارش کرتا ہے تاکہ سودی بنکوں سے رابطہ منقطع کرنا آسان ہو جائے۔ اجلاس کے خیال میں یہ سب کچھ ممکن اور قابل عمل ہے۔

۵- اجلاس اسلامی بنکوں، اداروں اور کمپنیوں کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ معاہدہ کے آغاز میں ہی صاحب سرمایہ سے منافع کی نسبت کا تعین کر لیں۔ اس معاہدہ کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔

۶- اسلامی بنکوں، سرمایہ کاروں اور ایجنٹوں کے درمیان (کسی ایک کے لیے ایک) رقم معین کر لینا جائز ہے بشرطیکہ منافع ایک خاص طے شدہ حد سے بڑھ جائے اور یہ حد پہلے طے کر لی گئی ہو۔ یہ شرط منافع میں تینوں کے اشتراک کو ختم نہیں کرتی۔

ضمیمہ نمبر ۵

ازھر فتویٰ کمیٹی سے ایک سوال

مصری فضائی کمپنی نے اپنے ملازمین کے لیے ایک خصوصی* اسکیم شروع کی ہے۔ اس سکیم کے تحت جب ملازمین ریٹائر یا معذور ہوجائیں تو اس فنڈ کے ضابطہ اور دستور کے مطابق ایک مقرر رقم حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ رقم اس رقم کے عوض میں ملے گی جو ملازم اپنی ملازمت کے دوران تنخواہ میں سے جمع کراتا تھا۔ جبکہ ادارہ اس میں اپنی طرف سے بھی رقم شامل کرتا ہے۔ پھر اس مجموعی مذکورہ رقوم کی سرمایہ کاری سے حاصل شدہ ماہانہ منافع بھی اس فنڈ میں شامل کر دیا جاتا ہے۔

انتظامیہ اس فنڈ کے ذریعہ درج ذیل مدات میں سرمایہ کاری کرتی ہے:

الف۔ سرمایہ کا پچاس فیصد سیونگ سرٹیفکیٹ خریدنے پر لگایا جاتا ہے۔

ب۔ باقی رقم (پچاس فیصد) فیصل بنک میں جمع کرائی جاتی ہے۔

یہ سرمایہ کاری حلال شمار ہوگی یا حرام؟ اس کا کیا حکم ہے؟

جب کہ بعض ارکان یہ شرط لگاتے ہیں کہ یہ سارا سرمایہ فیصل بنک ہی میں جمع کرایا جائے۔

(مصطفیٰ محمد حسین)

جواب: ادارہ تحقیقات اسلامی نے اس قسم کی اسکیم کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اسکیم جائز ہونے کے باوجود اراکین کی رقوم کو سیونگ سرٹیفکیٹ میں لگانا اسے حرام بنا دیتا ہے۔ کیونکہ ۱۹۶۵ء کے قانون نمبر ۸ میں ایسی سرمایہ کاری کو سودی قرض قرار دیا گیا ہے اور سودی قرض حرام ہے۔

اگر بعض اراکین کی طرف سے یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ ان کے حصہ کی رقم کی سرمایہ کاری اسلامی بنکوں یا اسلامی تجارتی کمپنیوں میں کی جائے تو یہ حلال ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

دستخط اول
صدر فتویٰ کمیٹی ازھر
۲۸ فروری ۱۹۸۸ء

---

* یہ اسکیم جنرل پراویڈنٹ فنڈ سے مشابہ ہے

ضمیمہ نمبر ۶

بنکوں کے سود کی حرمت میں مفتی مصر کا فتویٰ

یوسف فھمی حسین نامی مصری نے ایک رجسٹری خط نمبر ۵۱۵ کے ذریعے دارالافتاء کی طرف ایک سوال بھیجا۔

وہ لکھتا ہے کہ وہ ریٹائر ہو گیا ہے اور اس کی کمپنی نے اسے چالیس ہزار جنیہات (مصری سکہ) دیے۔ وہ کنبہ کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس نے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مذکورہ رقم کو ایک بنک میں سیونگ سرٹیفکیٹ پر ماہانہ آمدنی کی بنیاد پر لگا دیا کیونکہ سرمایہ کار کمپنیوں میں سرمایہ کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔

جب اس نے یہ سرمایہ کسی منصوبے میں لگانے کا سوچا تو ایسا کوئی منصوبہ نظر نہیں آیا اور اس کی صحت خود کسی جدوجہد کی متحمل نہیں ہے۔ اس نے آج کے اخبار میں بعض علماء اور مشائخ کی تحقیقات پڑھیں کہ کیونکہ بنک میں سیونگ سرٹیفکیٹ کے ذریعہ جمع شدہ رقوم صنعتی اور تجارتی کمپنیوں میں لگائی جاتی ہیں اس لیے ان سیونگ سرٹیفکیٹ کی آمدنی حلال شمار ہوگی کیونکہ یہ تجارت اور کاروبار سے آنے والی آمدنی ہے اس نے یہ مشاہدہ بھی کیا ہے کہ ایک اسلامی بنک اس کے داماد کے ساتھ اسی طرح لین دین کرتا ہے جس طرح دوسرے عام بنک کرتے ہیں لیکن اسلامی بنک اس کو دوسروں سے منافع کم دیتا ہے۔

جب کہ وہ آدمی اس بات کا خواہش مند ہے کہ اس کے گھر میں حرام مال داخل نہ ہو اس لیے دارالافتاء کی طرف ایک استفسار بھیجا ہے کہ اس معاملہ میں دین متین کیا فرماتا ہے جبکہ بعض علماء کے نزدیک یہ آمدنی حلال ہے اور بعض دوسروں کے نزدیک یہ سود ہے۔

اب دیکھیے کہ مفتی ڈاکٹر طنطاوی صاحب کا کیا جواب ہے؟

جواب:

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے۔ اسے

چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (البقرۃ:۲۷۸-۲۷۹)

ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، کھجور کا کھجور سے، نمک کا نمک سے جیسے کا تیسا اور دست بدست ہونا چاہیے۔ جس نے زیادہ دیا لیا اس نے سودی معاملہ کیا، لینے والا اور دینے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔

سود کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے مسلمان فقہاء کی اصطلاح میں سود مال میں اس زیادتی یا اضافے کا نام ہے جو کسی راس مال کے بدلے بغیر کسی مقابل کے وصول کیا جائے۔

ربٰو کے اس مذکورہ معنی پر تمام آسمانی مذاہب کا اتفاق ہے کہ یہ حرام ہے۔ بنکوں میں رقوم جمع کرنا یا قرض دینا یا قرض حاصل کرنا ان صورتوں میں سے جو بھی صورت ہو اگر اس کے لیے نفع مقرر ہو اور زمانہ کی تحدید کی گئی ہو تو وہ سودی قرض شمار ہوگا اور ہر سودی قرض حرام ہے۔ جو منافع سائل نے ذکر کیے ہیں وہ نصوص شریعہ کے مطابق حرام سود کے دائرہ کار میں آئیں گے۔

ہم ہر مسلمان کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے مال کی سرمایہ کاری کے لیے حلال طریقے تلاش کرے اور جس میں بھی حرام کا شائبہ ہو اس سے بچے اس لیے کہ قیامت کے دن اس سے اس کے مال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ کہ یہ اس نے کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا؟

مفتی مصر ڈاکٹر محمد طنطاوی کے دستخط

تاریخ ۱۴ رجب ۱۴۰۹ھ

مطابق ۲۰ فروری ۱۹۸۹ء

رجسٹرڈ نمبر ۱۲۴/۴۱

ضمیمہ نمبر ۷

مفتی صاحب (شیخ طنطاوی) کا دار الافتاء سے جاری کردہ فتویٰ*

آج کل بنکوں کے لین دین اور ان کے منافع کے بارے میں اکثر گفتگو کی جاتی ہے کہ آیا یہ حلال ہیں یا حرام؟ مصری دار الافتاء نے ان میں سے کچھ معاملات کے بارے میں کافی غور و خوض کرنے اور ماہرین کی خدمات سے استفادہ کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ البتہ اس بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے بہتر ہے کہ مندرجہ ذیل حقائق سامنے آجائیں۔

ہر زمانے اور ہر جگہ پر دانشمندوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات اور تصرفات میں فرمانِ باری تعالیٰ اور فرمانِ رسول ﷺ پر عمل پیرائی کا ثبوت دیتے ہوئے حلال اور پاکیزہ چیز کا ہی انتخاب کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے یایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً ولا تتبعوا خطوات الشیطن. انه لکم عدوٌ مبین لوگو، زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرہ:۱۶۸)

صحیح حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں متشابہ ہیں جنہیں عوام کی اکثریت نہیں جانتی، پس جو شخص شبہات سے بچ گیا تو گویا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا اور جو شخص شبہات میں پڑ گیا تو گویا وہ حرام میں پڑ گیا"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایسے امور سے دور رہے جن میں حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان تمیز مشکل ہو تو اس نے اپنی عزت و دین کو ہر برائی و قباحت سے محفوظ کر لیا۔

ایک اور حدیث شریف میں آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ "اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے اور ایسی چیز کو اپنا لو جو شک میں نہ ڈالے"۔ یعنی جس چیز کے حرام ہونے میں شک

---

* فتویٰ بتاریخ ۸ ستمبر ۱۹۸۹ء

ہے اسے نہیں اپنانا چاہیے بلکہ اس چیز کو لینا چاہیے جس کے حلال ہونے میں شک نہیں ہے۔

پاکیزہ نیت:

دانشمندوں کے طریقہ کار میں یہ بات بھی رہی ہے کہ جب وہ کسی ایسے مسئلے کے بارے میں بحث و تمحیص کرتے ہیں جس میں اجتہاد کی گنجائش ہو، تو ان کی تمام تر بحث و تمحیص کا دارو مدار پاکیزہ نیت، مہذبانہ گفتگو، انتخابِ حق اور تعصب و ذاتی خواہشات اور بلاوجہ بدگمانی سے پرہیز پر مبنی ہوتا ہے۔

جن امور میں اجتہاد قابلِ قبول ہے ان میں آپ ﷺ نے پاکیزہ نیت پر مبنی مجتہدین کو بہت بڑے اجر کی خوشخبری دی ہے، چنانچہ حدیث صحیح میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اور اس میں اجتہاد کرے اور وہ صحیح ثابت ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب حاکم فیصلے میں اجتہاد کرے اور اس میں غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔"

سعادت مند امتیں وہی ہوا کرتی ہیں جن میں ایسے افراد کی کثرت ہو جو گناہ اور زیادتی کے بجائے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں معاونت کریں۔

اہلِ علم کی رائے

احکامِ شرعیہ میں ایک خاص طریقے سے بات چیت کرنے اور غیر شرعی احکام کو عام طریقے سے بیان کرنے کے بارے میں یہ بات ضروری ہے کہ اس کا دارومدار علمِ صحیح، فہم سلیم اور دین کے اصول و فروع اور اس کے مقاصد کے بارے میں وسیع مطالعہ پر ہونا چاہیے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان امور کے بارے میں بات چیت کرنے والے کا مقصد حق اور سچائی تک پہنچنے کے لیے راہنمائی حاصل کرنا ہو، لہذا اگر کہیں اس کا علم ساتھ نہیں دے رہا تو اہل علم و تجربہ کار لوگوں سے دریافت کرے، چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے "فسئلوآ اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون" تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔ (الانبیاء: ۷)

اس آیت شریفہ میں اہلِ علم سے ہر فن اور ہر علم کے تجربہ کار اور ماہر لوگ مراد ہیں۔ چنانچہ میدان طب میں اطباء سے، فقہ کے بارے میں فقہاء سے اور اقتصاد کے بارے میں اقتصاد سے وابستہ لوگوں کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اسی طرح ہر علم کے بارے میں اس کے ماہر اور تجربہ کار لوگوں سے ہی دریافت کیا جائے گا۔

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح ختم نہیں کرے گا کہ اسے لوگوں کے دلوں سے کھینچ لے، لیکن علماء کو اٹھا لینے سے علم اٹھا لے گا۔ یہاں تک کہ جب زمین پر کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے، جب ان سے سوال کیا جائے گا تو بغیر علم کے فتویٰ دیں گے تو گویا انہوں نے اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بھی گمراہ بنایا"

دارالافتاء کی ذمہ داری

مصری دارالافتاء جتنے فتوے اور احکام جاری کرتا ہے وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان فتاویٰ و احکام کے بارے میں جواب دہ ہے۔

بحمداللہ موافقت و مخالفت کرنے والوں کے لیے اس کا سینہ فراخ ہے۔ مگر یہ چیز اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے کہ جس علم کے اظہار کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ اسے چھپائے، اس کے ہاں سائلین کے سوالوں کے جواب دینے کی مکمل استعداد و صلاحیت موجود ہے اور جواب دہی میں اس کا انتخاب وہی ہوتا ہے جسے وہ حق اور قرینِ اصول و انصاف پاتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود ہر شخص آزاد ہے چاہے تو دارالافتاء کی رائے مان لے (اس صورت میں دارالافتاء ہی اللہ کے ہاں جواب د۔۔۔ گا) اور اگر چاہے تو ان کی بات نہ مانے، اس صورت میں مخالفت کا جواب دہ وہ خود ہوگا۔

اہلِ علم کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ مفتی کا کام صرف حکمِ شرعی کو بیان اور واضح کر دینا ہے عام حالات میں اس کا لازم یا نافذ کرانا اس کی ذمہ داری نہیں۔

بنکوں کے لین دین

ان مذکورہ حقائق کے واضح ہو جانے کے بعد یہ بتلاتا چلوں کہ دارالافتاء کا خیال یہ ہے کہ بنکوں کے لین دین کے بارے میں بحث و تمحیص اس طرح مجموعی طور پر نہیں کی جانی چاہیے کہ بنک جو لین دین کرتے ہیں سارے کے سارے حرام ہیں یا سارے کے سارے حلال ہیں بلکہ ان کے ہر ایک مسئلے پر علیحدہ علیحدہ بحث کی جائے یا کم از کم انہیں متشابہ مسائل کے زمرے میں لایا جائے پھر ان مسائل کی حیثیت کے مطابق کوئی مناسب حکمِ شرعی پیش کیا جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بنکوں کے معاملات اور لین دین کے مختلف پہلو، متعدد اغراض اور وسائل و مقاصد ہوتے ہیں۔

ہم مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان معاملات میں سے کچھ تو وہ ہیں:

(۱) جن کے شرعاً جائز ہونے پر علماء کا اتفاق ہے نیز جو منافع اس وساطت سے حاصل ہو وہ بھی حلال ہے۔

(۲) ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے شرعاً ناجائز ہونے پر علماء کا اتفاق ہے لھذا ان ذرائع سے حاصل کردہ منافع بھی حرام ہوگا۔

(۳) ان میں سے کچھ معاملات ایسے ہیں جن کے حلال و حرام ہونے اور ان سے حاصل کردہ منافع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

آیئے پہلے حلال معاملات کا جائزہ لیں۔ ہر ایسا لین دین جسے شریعتِ اسلامی نے جائز قرار دیا ہے مثلاً خرید و فروخت، مضاربت، مشارکت اور اجارہ وغیرہ، علاوہ ازیں ایسے معاملات جن کا دارو مدار عامتہ الناس کو منفعت پہنچانے پر ہے حلال ہیں اور ان سے حاصل کردہ منافع کے جائز ہونے کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے بشرطیکہ اللہ تعالی کی عطا کردہ شریعت کے مخالف نہ ہوں، اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

اسلامی بنکوں کے لین دین کے بارے میں فرض کیا جاتا ہے کہ اس کا دارو مدار شرعی و اسلامی مضاربت پر ہوتا ہے، یا ایسے معاملات پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔ جن میں منافع کم یا زیادہ ہو سکتا ہے اور اس کی مقدار یا مدت کا پیشگی تعین نہیں کیا جاتا۔ نیز تمام فریق منافع میں شریک ہوتے ہیں اور تمام خسارے کا بوجھ بھی عدل کو سامنے رکھتے ہوئے اٹھاتے ہیں۔

تو میں کہتا ہوں اس قسم کے معاملات بذاتِ خود اور ان سے حاصل ہونے والے منافع حلال اور شرعی طور پر جائز ہیں۔

حلال ہونے کا سابقہ حکم ان معاملات پر بھی منطبق ہوگا جنہیں ان بنکوں نے جاری رکھا ہوا ہے۔ جن کے ساتھ اسلامی ہونے کی صفت لگی ہوئی ہے (یعنی اسلامی بنک) اور ان بنکوں پر بھی جو اپنے ساتھ اسلامی ہونے کی صفت نہیں لگاتے (یعنی غیر اسلامی بنک) اس لیے کہ معاملات میں حقیقت کا اعتبار کیا جاتا ہے الفاظ اور ناموں کا نہیں۔

سرمایہ کار کمپنیاں

سرمایہ کار کمپنیوں کے بارے میں یہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے سرمائے کو ہر پہلو سے صحیح اور سلیم طریقے سے جمع کرنے کے ساتھ ساتھ انکی سرمایہ کاری حلال مد میں کرتی ہیں جو امت

کے لیے نفع اور بھلائی کا سبب بنتا ہے اور اپنی کارگر اور مضبوط منصوبہ بندی کی وجہ سے بیروز گاروں کے لیے روزگار کے مواقع مہیا کرنے میں مددگار بنتی ہیں۔ نیز ان سرکاری منصوبوں کی حلال مدات بھی حصہ لیتی ہیں جو امت کو بیدار کرنے اور اس کی ترقی و فراخ دستی اور سلامتی میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ان کمپنیوں کے لین دین اور ان سے حاصل کردہ منافع شرعی طور پر حلال اور جائز ہیں۔

چنانچہ مصری دارالافتاء ان کی تائید کرتے ہوئے ان کی کامیابی اور توفیق کے لیے دعا گو ہے۔ لیکن جن کمپنیوں کا صراط مستقیم سے انحراف واضح ہو چکا ہے دارالافتاء ان کی تائید نہیں کرتا بلکہ ان کے احتساب کا مطالبہ کرتے ہوئے انصاف پر مبنی سزا کا خواہاں ہے۔

بنک ناصر

جس چیز پر سوشل بنکوں کا دارومدار ہے ان کے بارے میں یہی فرض کیا جاتا ہے کہ ان کے معرضِ وجود میں آنے کی وجہ ضرورت مندوں کو اپنی اعانت و مدد پیش کرنا ہے جیسے بنک ناصر ہے، اس قسم کے بنک ان ضرورتمندوں کو سرمایہ پیش کرتے ہیں جنہیں سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے پھر یہ بنک اس سرمائے کے عوض ایک مناسب رقم لیتے ہیں، جسے عادل اور تجربہ کار لوگ مقرر کرتے ہیں، تا کہ بنک اپنے اخراجات، جیسے ملازمین کی تنخواہیں اور دیگر مالی ذمہ داریاں پوری کر سکے۔

میری یہ رائے ہے کہ رقم کی یہ محدود مقدار (Service charges) جسے بنک تنخواہوں یا انتظامی اخراجات کے لیے لیتے ہیں شرعی طور پر جائز ہیں ان میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ یہ ان متعین خدمات کا معاوضہ ہیں جنہیں بنک اپنے لین دین کرنے والوں کے لیے پیش کرتا ہے۔

مخصوص بنک

جو کچھ ہم نے سوشل بنکوں کے بارے میں کہا ہے بعینہ وہی بات صنعتی، زرعی اور زمینوں کے متعلق یا ان جیسے دوسرے بنکوں کے بارے میں بھی کہیں گے جو مختلف قسم کی نفع بخش اسکیموں میں سرمایہ کاری کے لیے ضرورت مند سرمایہ کاروں کو اپنے منصوبے بڑھانے اور انہیں ترقی دینے کے لیے سرمایہ پیش کرتے ہیں پھر اپنے پیش کردہ سرمائے کے عوض ان سے ایک

مناسب رقم لیتے ہیں جس کا تعین عادل تجربہ کار لوگ کرتے ہیں۔ اس طرح کہ وہ (محدود رقم) ملازمین اور ایجنٹوں کی تنخواہیں اور بینک کے انتظامی اخراجات پوری کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ بینک جو مقدار رقم اپنے لین دین کرنے والوں سے اس صورت میں لیتا ہے، شرعاً جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ یہ Service charges ان متعین خدمات کا معاوضہ ہے جسے یہ بینک اپنے معاملہ کرنے والوں کے لیے پیش کرتے ہیں۔

سابقہ بیان کردہ مثالیں ان معاملات و منافع سے متعلق تھیں جن کے بارے محققین علماء کی رائے ہے کہ یہ شرعاً حلال اور جائز ہیں۔ رہی بات ان معاملات کی جن کے شرعاً حرام و ناجائز ہونے پر علماء کا اتفاق ہے تو وہ ہر ایسا معاملہ ہے جس میں دھوکہ، ظلم و زیادتی، ملاوٹ، کھوٹ اور نفع اندوزی یا ان کے علاوہ وہ قباحتیں اور گھٹیا پن ہو جو شریعت اسلامی کے منافی اور ضد ہیں۔

لہذا ہر وہ نفع جو اس طرح کے معاملات سے حاصل کردہ ہو وہ حرام ہی ہو گا اس لیے کہ جس چیز کی بنیاد حرام پر ہو وہ حرام ہی ہو گی۔

اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کوئی آدمی عیب دار چیز کو صحیح سالم ظاہر کر کے بیچے، اس میں خیانت اور دھوکہ ہے، حدیث صحیح میں ہے "جو شخص دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں" یعنی مسلمانوں میں سے نہیں۔

(۲) یا معاملہ کرنے والوں میں سے کوئی بازار کے نرخ سے دوسرے کی ناواقفیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے دوگنی قیمت پر سامان فروخت کرتا ہے یا نفع اندوزی کے مقصد سے اور حرص و لالچ کرتے ہوئے آدھی قیمت پر خریدتا ہے۔

(۳) کوئی آدمی کسی کو مثلاً ایک سو روپیہ مقررہ مدت تک کے لیے قرض دے۔ اس کی واپسی کے وقت مقروض کے ہاں ادائیگی کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے دائن اس کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے یوں کہے کہ یا تو ۱۰۰ روپے قرض واپس کر دو یا ایک ماہ بعد ۱۱۰ روپے دینے ہوں گے۔ یہی وہ واضح سود ہے جس کا کاروبار کرنے والے کے ساتھ شریعتِ اسلامی نے اللہ اور رسول ﷺ کی دائمی جنگ کا اعلان کیا ہے۔

جن معاملات اور ان سے حاصل کردہ منافع کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے ان میں سے بیشتر جدید قسم کے معاملات ہیں مثال کے طور پر ہم سیونگ سرٹیفکیٹ (Saving Certificate) کو لیتے ہیں جنہیں مصر کے نیشنل بینک نے جاری کیا ان کے بارے میں بینک نے یہ بتایا کہ ان کی آمدنی اپریل ۱۹۸۹ء تک چار ملین جنیہات (مصری سکے کا نام) تک پہنچ گئی ہے۔

دارالافتاء کا یہ خیال تھا کہ علمی امانت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس قسم کے امور میں فتویٰ دینے کے لیے جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ بلکہ ان معاملات کو چلانے والوں اور اس فن کے تجربہ کار لوگوں سے پوچھ لیا جانا چاہیے۔ اس لیے کہ کسی چیز کے بارے میں حکم اس کے متعلق موجود تصور کے مطابق دیا جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے مصری نیشنل بنک کے چیئرمین کی طرف ان سرٹیفکیٹ کے بارے میں کچھ سوالات بھیجے جن کے انہوں نے مندرجہ ذیل جوابات دیے۔

س:- ان سیونگ سرٹیفکیٹس کی حقیقت کیا ہے؟ نیز ان کے قیام اور ضرورت کے محرکات کیا ہیں؟

ج:- سیونگ سرٹیفکیٹس محفوظ سرمائے کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ جنہیں جاری کرنے کی ذمہ داری حکومت مصر نے نیشنل بنک کے ذمہ لگا رکھی ہے۔ جس کا مقصد سرمایہ کاری کے شعور کو استحکام بخشنا اور ترقیاتی منصوبوں میں سرمایہ کاری ہے۔ یعنی یہ حکومت اور عوام کے درمیان حقیقی واسطہ اور ذریعہ ہیں جسے مصری قانون کی شق نمبر ۸ کے مطابق ۱۹۶۵ء میں جاری کیا گیا۔

س:- ان سرٹیفکیٹس کی آمدنی کن کن مدوں میں استعمال کی جاتی ہے؟

ج:- ان کی آمدنی حکومت کی ترقیاتی اسکیموں کی سرمایہ کاری میں استعمال کی جائے گی اور یہ کام وزارت خزانہ کے سپرد ہو گا یعنی ان کی آمدنی حکومت کے حوالے کی جائے گی تاکہ وہ اس سے ترقیاتی منصوبوں کی سرمایہ کاری کر سکے۔

س:- ان سرٹیفکیٹس کے مالکان کو ان رقوم سے حاصل ہونے والے منافع کی ادائیگی کا ذمہ دار کون ہو گا؟

ج:- یہ ادائیگی وزارت خزانہ ہی کرے گی جیسا کہ اس کے متعلقہ دیگر امور اس کے ذمہ ہوتے ہیں۔

س:- کیا یہ سرٹیفکیٹس قرض تصور کیے جائیں گے یا امانت جن کے مالکوں نے ان کی قیمت کی سرمایہ کاری کرنے کی اجازت دی ہوئی ہے؟

ج:- یہ سرٹیفکیٹس امانت ہی متصور ہوں گے۔ جن میں ان کے مالک کی طرف سے ان کی قیمت کو سرمایہ کاری میں استعمال کی اجازت ہے۔

یہ وہ سرکاری جوابات ہیں جو پروفیسر محمد نبیل ابراہیم چیئرمین نیشنل بنک نے دارالافتاء کے سوالوں کے دیے۔

اب ہم ان سرٹیفکیٹس اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت کے بارے

میں فقہاء کی طرف رجوع کرتے ہیں فقہاء کے ہاں اس بارے میں ایک طویل بحث ہے جو کسی ایک رائے پر متفق نہیں۔

ہم یہاں صرف مجمع البحوث الاسلامی کی فقہی تحقیقات کمیٹی کی آراء کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں واضح رہے کہ یہ کمیٹی اس مسئلے کی تحقیق کے لیے شیخ محمد فرج السنہوری کی سربراہی میں ۱۹۷۶ء میں قائم کی گئی تھی یہ چودہ فقہاء پر مشتمل تھی اور اس میں چاروں مذاہب کی نمائندگی رکھی گئی تھی۔

ان میں سے پانچ پروفیسر عبداللہ المشد، محمد الحسینی شحانتہ، عبدالحکیم رضوان، محمد سلم مدکور، زکریا البری، مذہب حنفی کی نمائندگی کرتے تھے۔

چار پروفیسر یٰسین سویلم، عبدالجلیل عیسیٰ، السید خلیل الجارحی، سلیمان رمضان، مذہب مالکی کے نمائندہ تھے۔

تین پروفیسر محمد جبیرہ اللہ، طنطاوی مصطفیٰ، جاد الرب رمضان، مذہب شافعی کے نمائندہ تھے

جبکہ مذہب حنبلی کی نمائندگی شیخ عبدالعظیم برکت کر رہے تھے۔

کمیٹی میں سے چار کی یہ رائے تھی کہ یہ سرٹیفکیٹس اور ان سے حاصل ہونے منافع شرعاً ناجائز ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد جبیرۃ اللہ نے یہ کہا کہ مذہب شافعی میں اس مسئلے کی کوئی بنیاد نہیں پائی جاتی۔ جہاں تک میرا خیال ہے یہ معاملہ مضاربت کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ مضاربت کی طرح ان میں بھی ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے محنت ہوتی ہے۔

مگر یہ فاسد مضاربت (ناجائز) کے زیادہ قریب ہیں اس لیے کہ ان میں منافع کی ایک مقرر مقدار کی شرط لگائی جاتی ہے۔ اس بارے میں جبیرہ اللہ کی تائید (اختلافِ الفاظ کے ساتھ) طنطاوی مصطفیٰ، جاد الرب رمضان، سلیمان رمضان نے بھی کی۔

نو فقہاء نے یہ رائے قائم کی کہ یہ سرٹیفکیٹس اور ان کا منافع شرعاً جائز ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں یسین سویلم نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے فقہی اصول وضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے میں ایک رائے پر پہنچا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے:

الف۔ یہ معاملہ جدید ہے سابقہ فقہاء کے دور میں نہیں تھا۔

ب۔ اس کاروبار میں لوگ سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور حکومت اسے سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرتی ہے۔

ج۔ جس سرمایہ کاری معاملے کی یہ مندرجہ بالا صورت ہو، اس پر جو بنیادی شرعی ضابطہ منطبق ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ منافع بنیادی طور پر جائز ہے۔ لیکن اگر حصولِ منافع میں کسی کو ضرر اور نقصان پہنچ رہا ہو تب یہ حرام ہو گا۔

د۔ سابق الذکر شرعی بنیادی ضابطے کی اس مسئلے کے بارے میں تطبیق کی یہ صورت ہو گی کہ جو لوگ اس مقصد کے لیے پیسہ دیتے ہیں ان کے اور حکومت دونوں کے لیے یہ نفع بخش کاروبار ہے اس لیے کہ حکومت اس پیسے سے سرمایہ کاری کرتی ہے اور اس میں دونوں فریقوں میں سے کسی کو ضرر و نقصان نہیں ہے۔

لہذا اس رائے کو بنیاد بناتے ہوئے تینوں اقسام کے سیونگ سرٹیفیکیٹس شرعاً جائز ہیں۔

شیخ عبدالعظیم برکت نے اس کی یہ وجہ بیان کی کہ تیسری قسم کے سرٹیفیکیٹس (انعامی بانڈز) انعامات پر مشتمل ہوتے ہیں ان میں دی جانے والی رقم قرض ہوا کرتی ہے اس لیے کہ یہ رقم مالک کی ملکیت سے نکل کر بنک کی ملکیت میں آ گئی ہے اور شرعاً جائز بلکہ مستحسن ہے اس میں انعام کا حقدار وہی آدمی ہو گا جس کے نام قرعہ نکلا اور اس کے لیے یہ انعام لینا حلال متصور ہو گا اس لیے کہ انعام سرٹیفیکیٹس ہولڈرز کو بنک یا حکومت کی طرف سے ہبہ ہے اور شرعاً ہبہ کا قبول کرنا مستحسن اور واپس کر دینا مکروہ ہے۔؛۲۰-رم

رہی بات پہلے دونوں قسم کے سرٹیفیکیٹس کی، تو ان کا کاروبار بھی صحیح مضاربت کی فہرست میں آتا ہے اس لیے کہ دونوں اقسام میں منافع کام کرنے والے اور مالکِ مال کے درمیان مشترکہ ہے۔ لہذا ان دونوں قسموں کا کاروبار شرعاً حلال اور جائز ہے اس لیے کہ عموماً منافع ہی متوقع ہوتا ہے، خسارہ عموماً نہیں ہوتا اور احکام کی بنیاد غیر متوقع اور وہم پر مبنی چیزوں پر نہیں ہوتی۔

رہی یہ بات کہ فقہاء نے مضاربت کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ منافع کی ایک نسبت دونوں کے لیے معلوم ہو مثلاً ۱/۲، ۱/۳ حصہ۔ اس کی وجہ صرف اور صرف جانبین میں سے ہر ایک کو منافع کی محرومی سے بچانا ہے کہ اگر کوئی ایک اپنے لیے ایک معین مقدار پیشگی مقرر کر لیتا ہے مثلاً -/۱۰۰۰ پر -/۱۰۰ روپے، تو اس صورت میں نفع نہ ہونے کی صورت میں ایک فریق محروم رہ جائے گا۔

لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے اس لیے کہ ان موجودہ مروجہ منصوبوں کی بنیاد ایسے اقتصادی قواعد پر ہوتی ہے جن میں خاطر خواہ منافع کی ضمانت ہوتی ہے۔ اگر ان

منصوبوں کی مجموعی آمدنی کا مصاربت کی آمدنی سے موازنہ کیا جائے تو مصاربت میں صاحبِ مال کو منافع کی ایک قلیل مقدار ملتی ہے۔ بخلاف منصوبوں کے، جس میں آمدنی کا تناسب زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا دونوں فریقوں کو اس میں فائدہ ہوتا ہے اور اس میں نفع اندوزی اور محرومی کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔

ڈاکٹر سلام مذکور کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیونگ سرٹیفکیٹ کی تینوں قسموں کا کاروبار ایک جدید کاروبار ہے۔ لیکن ذہن کی کسی اور قسم کی طرف اس کا میلان نہیں ہے، نیز یہ کاروبار عوام اور حکومت دونوں کے لیے یکساں مفید ہے اور اس میں کسی طرف سے نفع اندوزی اور دھوکہ نہیں ہے۔ چنانچہ بنک جو منافع ادا کرتا ہے وہ سود نہیں ہے اس لیے کہ نفع اندوزی اور خسارے کا خدشہ نہیں ہے۔

بچت فنڈ کے منافع

ان تمام فقہاء کی طرف سے امام اکبر شیخ محمود شلتوتؒ نے محکمہ ڈاک کے بچت کھاتوں کے منافع کے بارے میں اپنی کتاب (الفتاویٰ) میں کہا ہے کہ "احکامِ شرعیہ اور صحیح قواعد فقہ کی روشنی میں ہماری یہ رائے ہے کہ بچت کھاتوں کے منافع حلال ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی حرمت نہیں ہے کیونکہ ان کھاتوں میں جمع کیا جانے والا روپیہ مالک کی طرف سے قرض نہیں ہوتا۔ نیز ادارے نے اس آدمی سے یہ روپیہ مانگا بھی نہیں ہے بلکہ مالک مال نے یہ پیسہ اپنی رضامندی سے محکمہ ڈاک کے سپرد کیا ہے بلکہ اس میں اس کی یہ کوشش اور جستجو تھی کہ محکمہ اسے قبول کر لے اور یہ بھی معلوم ہے کہ محکمہ اس روپے کو ایسے تجارتی کاروبار میں لگائے گا جس میں کساد بازاری اور خسارہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیونگ سرٹیفکیٹ کے منافع بچت فنڈ کے منافع کے ساتھ تمام پہلوؤں سے مطابقت رکھتے ہیں جیسا امام اکبر نے فرمایا کہ یہ حلال ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی حرمت نہیں ہے۔

سیونگ سرٹیفکیٹ کے محرکات

سابقہ گفتگو سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے (اور مصری نیشنل بنک کے چیئرمین کے جوابات میں بھی یہ بات آئی) کہ ان سیونگ سرٹیفکیٹس کے معرض وجود میں آنے کی وجہ یہ ہے

کہ حکومت کو ترقیاتی منصوبوں میں سرمایہ کاری اور بچت کے شعور کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور حکومت ہی ان سر ٹیفیکیٹس کے مالکان کو ادائیگیِ منافع کی ذمہ دار ہوتی ہے نیز یہ سر ٹیفیکیٹس ایسی امانت متصور کیے جاتے ہیں جن کے مالک نے ان کی قیمت کی سرمایہ کاری کی اجازت دے رکھی ہے۔ بنک نے ان سے قرض نہیں لیا۔ یہی بات فقہی تحقیقاتی کمیٹی کی آراء کا جائزہ لیتے ہوئے سامنے آئی ہے کہ سیونگ سر ٹیفیکیٹس کے کاروبار کو شرعاً ناجائز قرار دینے والوں کی اہم دلیل یہ ہے کہ پہلے سے نفع کی مقدار مقرر کر لینا اسے فاسد مضاربت کی صورت میں تبدیل کر دیتا ہے کیونکہ بنک کو خسارے کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔

اس کے برعکس رائے رکھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ پیشگی مقدارِ منافع کے مقرر کرنے کی وجہ صرف صاحبِ سرمایہ کے حقوق کا تحفظ اور اس کے اور بنک کے مابین اختلاف سے بچنا ہے۔ قرآن و حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جو اس طرح منافع مقرر کرنے سے منع کرتی ہو جبکہ دونوں طرف کی رضامندی سے معاملہ طے ہو جائے۔

"مضاربت کی تمام صورتیں (شیخ عبدالوہاب کے قول کے مطابق) شرکاء کے اتفاق سے قرار پاتی ہیں آج کل ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں بددیانتی عام ہو چکی ہے لوگ اس بارے میں کسی قسم کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اگر صاحبِ مال کے لیے ایک مخصوص مقدار مقرر نہ کی جائے تو اسے اس کا شریک کہا جائے گا۔

اور اس کے علاوہ یہ بھی ایک اہم حقیقت ہے کہ نفع کی کوئی ایک مقدار متعین بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ سر ٹیفیکیٹس کے قیام کے وقت منافع کا تناسب ۴% تھا جبکہ آج کل یہ تناسب ۱۶% سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ بنک اس منافع کی شرح کا تعین محتاط حساب کتاب کے بعد کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اس چیز کا ذمہ دار ہے حالانکہ اس چیز پر اسے کسی نے مجبور نہیں کیا ہوا۔

جب بنک کو کاروبار میں اچانک خسارہ آ جائے جس کا اسے اندازہ نہیں تھا تو شریک کار اپنے اپنے حصوں کے مطابق اس خسارے میں بھی شریک ہوں گے۔

دارالافتاء کی تجاویز

ذیل میں ان سر ٹیفیکیٹس اور ان سے حاصل کردہ منافع اور آمدنی کے بارے میں علماء کرام کی آراء کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ فقہی تحقیقاتی کمیٹی کے اجتماعات کی روئیداد (جن کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں) کی جسے ضرورت ہو دارالافتاء سے لے سکتا ہے۔

ایک آدمی یہ سوال کر سکتا ہے کہ یہ لمبی چوڑی بحث پیش کرنے کے بعد مصری دارالافتاء کی ان سر ٹیفیکیٹس کے کاروبار اور ان سے حاصل کردہ منافع کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب یہ ہے کہ دارالافتاء نے قومی بنک کے ذمہ دار افراد کو یہ تجویز پیش کی ہے کہ:

(۱) ان سر ٹیفیکیٹس کے مالکان کو ادا کی جانے والی رقم کے لیے لفظ فائدہ یا منافع استعمال نہ کریں بلکہ اس کے بجائے سرمایہ کاری کی آمدن (Return on Investment) کی اصطلاح استعمال کی جائے۔ کیونکہ لوگوں کے ہاں یہ سود کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ ہمیں اس چیز کا اعتراف ہے کہ معاملات و لین دین میں ان کی حقیقت اور مصداق کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ اور ناموں کا نہیں۔

(۲) ایک نیا سر ٹیفیکیٹ جاری کریں جس کا نام متغیر آمدنی یا ایک حد پر برقرار نہ رہنے والا آمدنی سر ٹیفیکیٹ رکھیں جس میں منافع پیشگی مقرر کردہ نہ ہوں بلکہ نفع و نقصان کے تابع رہیں۔

اگر اس پر عمل درآمد کیا جائے تو لوگوں کے لیے کاروبار کی جدید اقسام متعارف ہوں گی جن کے درست ہونے کا ان کو اطمینان ہو گا۔

ان سر ٹیفیکیٹس کے ذمہ دار افراد نے ان تجاویز کے بارے میں اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا اور بہت جلد اس کے نفاذ کا وعدہ بھی کیا۔

اصل مقصد حکومت کی امداد ہے

سابقہ تمام تصریحات کو بنیاد بناتے ہوئے مصری دارالافتاء کی رائے یہ ہے کہ سیونگ سر ٹیفیکیٹس اور ان سے ملتا جلتا کاروبار مثلاً بچت فنڈ اور ان سے حاصل ہونے والے منافع شرعاً جائز اور حلال ہیں۔

ان کے جائز ہونے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ شرعی مضاربت کے ضمن میں آتے ہیں جیسا کہ شیخ عبدالعظیم برکت وغیرہ نے فرمایا یا اس لیے کہ یہ جدید کاروبار ہے جو عوام اور حکومت دونوں کے لیے یکساں مفید ہے اور اس میں نفع اندوزی اور شرکاء کا استحصال بھی نہیں ہے جیسا کہ ڈاکٹر محمد سلام مدکور وغیرہ نے کہا۔

بہتر یہ ہے کہ سر ٹیفیکیٹس خریدتے وقت آدمی کی نیت یہ ہو کہ وہ اس طریقے سے حکومت کی امداد کر رہا ہے اور حکومت ان کی قیمت ایسے نفع بخش ترقیاتی منصوبوں میں لگائے گی جو تمام معاشرے کے لیے فائدہ مند ثابت ہوں گے۔

نیز ان سر ٹیفکیٹس کے مالکان کو بھی چاہیے کہ ان کے عوض حکومت جو منافع ادا کرتی ہے انہیں لے لیں اس لیے کہ یہ ان کی طرف سے حکومت کی معاونت پر حوصلہ افزائی کا صلہ ہے جبکہ اس منافع کا کچھ حصہ اسے مل رہا ہے اور کچھ فوائد دوسروں کو بھی حاصل ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ "جو شخص تمہارے ساتھ بھلائی کرے تم اسے اس کا بدلہ دو" لہذا جو شخص حلال و جائز اور فائدہ بخش منصوبوں کے عمل درآمد پر حکومت کا معاون بنا ہے، بے شک اس نے ایک بھلائی کا کام کیا لہذا حکومت سے بھی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے زیرک، محسن سپوتوں کو اس کا بدلہ دے۔

اس تصریح کو بنیاد بناتے ہوئے شاید ہم اختلاف کنندگان کے اختلاف اور تنگی پیدا کرنے والوں کی تنگی سے نکل جائیں گے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر آدمی کو نیت کے مطابق ثمر ملے گا"

مندرجہ بالا سطور میں بنکوں کے کاروبار کے حوالہ سے ہم نے سیونگ سر ٹیفکیٹس اور ان کے منافع کے بارے میں مصری دارالافتاء کے نقطۂ نظر کے مطابق حکم شرعی واضح کیا در حقیقت ان سر ٹیفکیٹس کے بارے میں لوگوں کی دلچسپی اور کثرتِ سوالات کی وجہ سے ترجیحاً اس سے اپنی بات کی ابتدا کی ہے۔ اللہ گواہ ہے کہ اس سلسلہ میں میں نے بہت سارے فقہاء اور ماہرینِ اقتصاد سے بحث مباحثہ کیا اور بڑی حد تک ان کی آراء سے بہرہ ور ہوا ہوں۔

انشاء اللہ عنقریب فقہاء، اقتصادی ماہرین اور تجربہ کار لوگوں سے بحث مباحثہ کے ذریعے جائزہ لے کر بنکوں کے موجودہ دیگر معاملات کے بارے میں بھی تصریحات پیش کریں گے۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ معاملات بے شمار اور مختلف اغراض کے حامل ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قول و فعل کی تمام تر لغزشوں سے محفوظ رکھے، غلطی اور نسیان کی صورت میں مواخذہ نہ کرے اس لیے کہ وہی ذات تو ہے جس سے بہتر آرزوئیں کی جاتی ہیں اور دست سوال دراز کیے جاتے ہیں۔

وصلی اللہ علی سید نا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

آج جبکہ ساری دنیا میں اسلامی احیاء کی لہریں اٹھ رہی ہیں اور امت اپنے حقیقی مشن کی علمبرداری کے لیے بے چین ہے۔ کفر کی قوتیں بھی مجتمع ہو رہی ہیں۔ خصوصیت سے اشتراکیت کے زوال کے بعد اب انہیں اسلامی احیاء کی صورت میں اپنے لیے سب سے بڑا دشمن اور مخالف نظر آرہا ہے۔ یہ دونوں قوتیں اپنا نیا تاریخی کردار ادا کرنے کے لیے میدان میں دست و گریباں ہیں۔ اہل ایمان سامنے سے حملہ کرنے والوں سے ذرا بھی پریشان نہیں اور ان کے ہر وار کا مقابلہ کرنے کے لیے سینہ سپر ہیں لیکن بڑا خطرہ ان عناصر سے ہے جو پیچھے سے خنجر گھونپنے کے لیے چالیں چل رہے ہیں اور ان کی ایک مکروہ چال "اجتہاد" اور "ضرورت" کے نام پر اسلامی احکام کا حلیہ بگاڑنے سے عبارت ہے۔ خواہ مسئلہ سود کا ہو یا خاندانی منصوبہ بندی کا' بات پردہ کی ہو یا مغرب کی ثقافتی یلغار کی' ان کا موقف ایک ہی نظر آتا ہے اور مختصراً وہ یہ ہے کہ نام تو ہم لیں اسلام اور مسلمانوں کا اور وسائل بھی استعمال کریں امت اسلامیہ کے' مگر راستہ وہ اختیار کریں جو یورپ اور امریکہ نے اختیار کیا ہے اور جس پر وہ ہمیں گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔

سود کے بارے میں جس نوعیت کی بحث پاکستان میں کچھ عناصر نے شروع کی ہے اسی قسم کی ایک بحث چند سال پہلے مصر میں شروع ہوئی تھی۔ خاص طور پر اسلامی بنکاری کے کامیاب تجربات پر روایتی سودی بنک بوکھلا اٹھے تھے اور جہاں انہوں نے اسلامی بنکوں کو مختلف طریقوں سے نقصان پہنچانے اور بد نام کرنے کی کوشش کی' وہیں یہ بحث بھی شدومد سے اٹھانے کی سعی کی کہ بنک کا سود تو ربو ہے ہی نہیں۔ اس بحث پر عالم اسلام کے چوٹی کے عالم ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے محاکمہ کیا جو ان کی کتاب "فوائد البنوک ہی الربا الحرام" کی شکل میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں بنک کے سود کے مسئلہ پر بڑے علمی انداز اور محکم دلائل کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ ربو اور بنک کا سود اسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔

مترجم جناب عتیق الظفر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ آپ نے اسلامی یونیورسٹی سے اکنامکس میں ایم ایس سی اور واٹر لو یونیورسٹی' کینیڈا سے ایم اے کیا ہے اور آج کل اسلامی یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی (اکنامکس) کے طالب علم ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز — اسلام آباد